

اس امر کی تحقیق عظیم کہ فتویٰ ہمیشہ قول امام پر ہوتا ہے

اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطابقت علی قول الامام

۱۳۳۳ھ

قدس سرہ العزیز

تصانیف الطیفاء
اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا بریلوی

رسالة

اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً علی قول الامام

اس امر کی تحقیق عظیم کہ فتویٰ ہمیشہ قول امام پر ہے۔ (ت)

بسم الله الرحمن الرحيم تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو اپنے دین حنیف (تمام ادیان باطلہ سے جدا) پر بے انتہا مہربانی ہے جس نے ہمیں ایسے احمد عطا فرمایا جو کجی کو درست کرنے والے اور سخی، بے نیاز، خدا کے حکم سے مسلسل بدد فرمانے والے ہیں، جس نے ہمارے امام اعظم کو اماموں کے درمیان وہ مقام عطا فرمایا جو دل کو تمام جسم میں ہے، اور درود و سلام جو رسول کریم

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله العلي، على دينه العنفي، الذي ايدنا بائمة يقيمون الاود، ويد يمين الصد، باذن الجواد الصمد، وجعل من بينهم احامنا الاعظم كالقلب في الجسد، والصلوة والسلام، على الامام الاعظم للرسول الكرام، الذي جاءنا حقاً من قوله المأمون، استفتت قلبك وان افتاك المفتون

اولاً امام اعظم کو دل کے ساتھ تشبیہ دی گئی پھر اس حدیث کا ذکر کیا تو اپنے دل سے فتویٰ طلب کر خواہ مفتی تجھ کو کچھ ہی فتویٰ دیتے رہیں) جسم میں دل کا ذکر ہے تو یہ براعت استہلال کا ذکر ہے اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اصل ابن مسعود جعفی سے سند حسن کے ساتھ استفتت نفسك کا ذکر کیا ہے اور امام احمد نے ابو ثعلبہ ششتی سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ نیک یہ ہے کہ جس سے نفس کو سکون اور دل کو اطمینان (باقی بر صفحہ آئندہ)

عليه جعل الامام الاعظم كالقلب ثم ذكر حديث الحديث استفتت قلبك وان افتاك المفتون فأكبره من براعة استهلال والحديث رواه الامام احمد والبخاري في تاريخه عن واعلة بن معبد الجعفي رضي الله تعالى عنه بسند حسن بلفظ استفتت نفسك وروى احمد بسند صحيح عن ابي ثعلبة الجعفي رضي الله تعالى عنه عن النبي صلي الله تعالى عليه وسلم البر ما سكنت اليه النفس واعلان اليه

و علیہم و علی آلہ و آلہم و صحبہم
و قدامہ و قدامہم ، فی یوم یبدی کل اناس
بما صہم ، آمین اعلیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ و ایاک ،
و قول بفضلہ ہدای و ہدایک ، انہ قال العلما
المحقق الذہبی فی صدر قضاء البحر بعد ما ذکر
تصحیح السراجیۃ ان المطلق یعنی بقول
ابی حنیفہ علی الاطلاق و تصحیح ہادی
القدسی اذ کان الامام فی جانب تھا جانبای اوقبا
لقرۃ المدرئۃ ما نصہ فاق قلت کیف جاش
للمشایخ الافتاء بغیر قول الامام الاعظم
مع انہم مقلدون قلت قد اشکل علی ذلک
صدقہ طویلۃ و لم ارقیہ جوابا الا ما فہمت
الآن من کلامہم و هو انہم نقلوا عن الصحابۃ

امام اعظم پر ، جن کا ارشاد گرامی ہے تو اپنے دل سے فتویٰ
طلب کر خواہ مفتی تجھ کو کچھ ہی فتوے دیتے رہیں ، اور
اپنے آل اصحاب تابعین اور تمام امت مسلمہ پر بھی رد و سلام ہے
اُس دن تک جس دن ہر جماعت کو اس کے امام کے
نام سے بلایا جائے گا آمین ، جانتا چاہئے اللہ مجھ پر
اور آپ پر رحم کرے اور مجھ کو اور آپ کو ہدایت دے ،
علامہ محقق علی الجوزی بھر کی "قضاء" کی بحث کی ابتدا
میں پہلے سراجیہ کی اس تصحیح کو ذکر کیا کہ مفتی کو علی الاطلاق
ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دینا چاہئے ، اور حاوی نے
یہ تصحیح کی کہ اگر امام صاحب ایک طرف ہوں اور صاحبین
دوسری طرف ہوں ، پھر فرمایا تو اعتبار مذہب کی قرۃ کا
ان کی تصریح یہ ہے مشایخ کے لئے یہ کیونکر جائز ہو گا کہ وہ
امام ابو حنیفہ کے متذہب نہ ہوتے کسی دوسرے امام کے

و یقیر ما شیعہ صنف کرشمۃ القلب و الاثر ما لم یسکن
الیہ النفس و لم یطمئن الیہ القلب و انما افتاء
الافتون احسنہ مغفر لہ

نقلہ قال الرضی ہذا مروی عن ابی حنیفہ
رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ و کلامہ ہنا موہرات
ذلک مروی عن المشایخ کما ہو ظاہر من
سیاقہ ۱۲

اقول اعم حدیث فی کلامہ یوہم

حاصل ہے اور برائی
یہ ہے کہ جس سے نفس کو سکون اور دل کو اطمینان
حاصل نہ ہو خواہ مفتی تجھ کو کچھ ہی فتوے دیتے

پہلی دست
رہی نے کہ یہ امام ابو حنیفہ سے مروی ہے اور جو کہ
کلام سے وہم ہوتا ہے کہ یہ مشایخ سے مروی ہے
جیسا سیاق سے ظاہر ہے ،

میں کتاہوں اس کے (باقی پر صفحہ آئندہ)

قول پر فتویٰ ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ اشکال ایک طویل
مرحہ تک میرے ذہن میں رہا، میں اس کا جواب نہ
معلوم کر سکا مگر اب ان ائمہ کے کلام سے میرے ذہن
میں کیا ہے وہ یہ ہے کہ ائمہوں نے ہمارے اصحاب
پر قول اعلیٰ کیا ہے کہ کشتی میں کوئی جاکر نہیں کرے وہ ہمارے
قول پر فتویٰ ہے تا وقتیکہ اس کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ ہم نے
یہ قول کہاں سے اخذ کیا ہے، یہاں تک کہ مراجعہ میں

انہ لا یجمل لاحد ان ینفق بقولنا حتی یعلم من
این قلنا حتی فعل فی المسواجیۃ انت هذا
سبب مخالفة عصام للامام وكان ینفق بخلاف
قوله کثیر الا انہ لم یعلم الدلیل وكان ینظر له
دلیل غیره فیفتی به فا قول ان هذا الشرط
کان فی زمانہم اصابی زماننا فیکتفی بالخط
کما فی التذیہ وغیرہا فیجمل الافتاء بقول

کلام میں کون ساحر ہے جس سے وہم ہوتا ہے
کہ یہ مشایخ سے مروی اور کس سیاق سے ظاہر ہے شاید
کا خلافت اس وجہ سے کیا ہے کہ جب تک وہ کسی دلیل
کو جان نہیں لیں اصحاب کے قول پر فتویٰ دینے سے منع
کئے گئے ہیں وہ تو منع کئے گئے ہیں منع کرنے والے
نہیں ہاں اصحاب سے مروی ہے جیسے مناقب
کو درمی میں امام سے مروی ہے عاصم بن یوسف
سے کہ سب سے زیادہ بحث امام کی مجلس میں ہوتی تھی
سب سے زیادہ بحث کرنے والے چار اصحاب: سقہ
زفر، ابو یوسف، حاقہ اور اسد بن عمرو۔ وہ فرما
ہیں ہمارے قول پر فتویٰ دینا کسی کو روا نہیں جب تک
ہماری دلیل نہ جان لے اور نہ کچھ ہم سے روایت کرے
جب تک ہم سے سن نہ لے اور اسی میں ابن جبہ سے
کہ میں نے محمد بن حمران علیہ سے سنا ہے وہ فرماتے
ہیں کہ کسی کو جائز نہیں کہ ہماری کتب سے روایت کرے

(بقیہ مشایخ کثرت) روایت عن المشایخ وای
سیاق ینظر انما جعل خلاف المشایخ لانہم
منہیون عن الافتاء بقول الاصحاب ما لم
یخرجوا دلیلہ فہم منہیون لانہم ہون اما لا یجوز
فہم ردی عنہم کما ردی عن الامام مرفعی
انہ تعالیٰ عنہم فی مناقب الامام للامام الکورد
عن عاصم بن یوسف لمر بن مجلس انہ من مجلس
الامام وكان اتبل اصحابہ اربعة نفر (ابو یوسف
و حاقہ و اسد بن عمرو و قالوا لا یجمل لاحد
ان ینفق بقولنا حتی یعلم من این قلنا و الامت
یروی عننا شیئا لم یسمعہ منا و فیہا عن ابن
جبہ سمعت محمد بن یحییٰ لا یجمل لاحد ان
یروی عن کتبنا الا ما سمع او یعلم مثل حملنا
۱۲ منہ غفرلہ - (م)

الامام بل یجب وان لم تعلم من این قالی وعلی
 هذا اخذنا صححه فی الحادی مبنی علی ذلك
 الشرط وقد صححه ان الا فتاء بقول الامام
 فینتج من هذا انه یجب علینا الا فتاء بقول
 الامام وان افتی المشایخ بخلافه لانهم
 انما اختلفوا بخلافه لفقد شرطه فی حقهم
 وهو الوقوف علی دلیلہ و امانہم فلما اختلفوا
 وان لم یقف علی دلیلہ وقد وقع للمحقق
 ابن الهمام فی مواضع الرد علی المشایخ فی الاختلاف
 بقولہما یا نہ کل یصل عن قوله الا لضعف دلیلہ
 وهو قوی فی وقت العشاء لکونه الاحوط و فی
 تکبیر العشرین فی آخر وقتہ الی آخرها ذکرہ فی
 قسم القدر بلکن هو اهل للنظر فی الدلیل ومن
 لیس باهل للنظر فیہ فعلیہ الا فتاء بقول الامام
 والمراد بالاحلیۃ هنا انما یکون عاصفا صیغرا
 بین الا قایل له قد مر علی ترجیح بعضها علی
 بعض ثم و تعقبہ العلامة ش فی شرح عقوده
 بقوله لا یغنی حلیک ما فی هذا الکلام من
 عدم الانتقال مولد الاعتراضه مع حشیہ
 الخیر الرضی بان قوله یجب علینا الا فتاء
 بقول الامام وان لم تعلم من این قالی
 مضاد لقول الامام لا یحل لاحد ان
 یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا اذ هو صریح
 فی عدم جواز الا فتاء لغير اهل الاجتهاد
 فکیف یستدل به علی وجوبه فتقول ما یصلک
 من غیر الذائق فصل یکرر تعلیل من شاء

میں نقل کیا گیا ہے کہ اسی وجہ سے حصار نے امام ابو حنیفہ
 کی مخالفت کی اور وہ بسا اوقات امام کے خلاف فتویٰ
 دیا کرتے تھے، کیونکہ ان کو دلیل کا علم نہ ہوتا اور دوسروں
 کی دلیل ان کو معلوم ہوتی تھی، وہ اس پر فتویٰ دیتے،
 میں کہتا ہوں یہ شرط ان کے زمانہ میں تھی، اب ہمارے
 زمانے میں صرف ان کے اقوال کو یاد کر لینا کافی ہے،
 جیسا کہ قنبرہ وغیرہ میں ہے امام کے قول پر فتویٰ دینا
 حلال بلکہ واجب اگرچہ اس کی دلیل معلوم نہ ہو اس پر جس چیز کی تصحیح
 حاوی میں ہے وہ اسی شرط پر مبنی ہے، اور علما نے
 اس امر کی تصحیح کی ہے کہ فتویٰ امام کے قول پر ہے،
 اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں امام کے قول پر فتویٰ دینا
 واجب ہے اگرچہ مشایخ اس کے خلاف فتویٰ دیں،
 اس لیے کہ ان مشایخ نے امام کے قول کے خلاف اس
 لیے فتویٰ دیا کہ ان کے حق میں اس کی شرط مفقود تھی
 اور یہ ہمارے حق میں نہیں ہے، اور شرط میں غلطی کہ وہ
 ابو حنیفہ کی دلیل پر مطلع ہو سکے، اور ہم خواہ دلیل
 پر مطلع نہ ہوں ہم پر لازم ہے کہ ہم امام کے قول پر
 فتویٰ دیں، ابن ہمام نے کئی مقامات پر مشایخ کی
 تردید کی ہے کہ انہوں نے صاحبین کے قول پر فتویٰ
 کیوں دیا، اور فرمایا کہ ان کے قول سے اس وقتہ
 تک انحراف درست نہیں جب تک کہ اس دلیل کا ضعف
 ظاہر نہ ہو، اور وہ عشاء کے وقت کے سلسلہ میں قوی ہے
 کیونکہ وہی احوط ہے اور تکبیر عشرین میں اس کے آخری
 وقت میں، الی آخر ہاذا ذکرہ فی قسم القدر، مگر وہ
 دلیل میں غور کرنے کی اہلیت رکھتے تھے، لیکن جو اہل نظر

من غیر الاہل لیس بافتاء حقیقۃ و انما ہو حکایۃ عن المجتہدانہ قائل یکنوا و اعتبار من هذا الملاحظ تجوز حکایۃ قول غیر الاہل امام فکیف یجب علینا الالقاء بقول الاہل و انما افستی المشایخ بخلافہ و نحن انہا نعکى فتوہم لا غیر فلیتأمل انتہی و توضیحہ ان المشایخ اطلعوا علی دلیل الاہل و عرفوا من ان قالوا اطلعوا علی دلیل اصحابہ فیرجعون و دلیل اصحابہ علی دلیلہ فیفتون بہ و لا یظن بہم انہم عدلوا عن قولہ لجللہم بدلیلہ فانما نوبہم لا دشمنوا کتبہم بنصب الادلہ ثم یقولون الفتوی علی قول ابی یوسف مثلاً و حیث لم تکن اہلاً للنظر فی الدلیل و لم فصل الی مرتبتہم فی حصول شرائط التفریع و التامیل فعلینا حکایۃ ما ینقولونہ لانہم ہم اتباع المذہب الذین نصبوا انفسہم لتفسیرہ و تحسیرہ باجتہادہم و انظر الی ما قد مناه من قول الاعلام قاسم ان المجتہدین لم یفقدوا حتی نظروا فی المختلف و مرجعوا و صححوا الی ان قال فعلینا اتباع الراجح و العمل بہ کہا لہم افترا فی حیاتہم (وقی) فتاوی العلما ابن الشلبی لیس للقاضی ولا للمفتی العدول عن قول الاہل الا اذا صرہ احد من المشایخ

نہ ہوں ان پر لازم ہے کہ وہ امام کے قول پر فتویٰ دیں اور اہلیت سے یہاں یہ مراد ہے کہ وہ مختلف اقوال کی معرفت رکھتا ہو اور ان میں اقیان ذکر سکتا ہو اور بعض کو بعض پر ترجیح دے سکتا ہو اور ، علامہ شمس نے شرح معقود میں اس پر تعاقب کیا ہے فرمایا ہے اس کلام میں جو بدلتی ہے وہ محض نہ رہے ، اسی لیے اس کے عشی خیر دل نے اس پر اعتراض کیا ہے فرمایا کہ ان کا قول کہ ہم پر امام کے قول پر فتویٰ دینا لازم ہے خواہ ہمیں یہ علم نہ ہو کہ انہوں نے کہاں سے لیا ، یہ خود امام کے اس قول کے خلاف ہے کہ کسی کو ہمارے قول پر اس وقت تک فتویٰ دینا حلال نہیں جب تک کہ اس کو یہ علم نہ ہو جائے کہ ہم نے یہ بات کہاں سے کہی ہے ، یہ حریک ہے کہ مجتہد کے علاوہ کوئی اور فتوے نہیں دے سکتا ہے تو اس سے اس کے وجوب پر کینکر استدلال کیا جاسکتا ہے ، ہم کہتے ہیں جو نااہل لوگوں سے صادر ہوتا ہے وہ فتویٰ ہی نہیں ہے وہ تو مجتہد کے قول کی حکایت ہے اس لحاظ سے غیر امام کے قول کی حکایت درست ہے ، تو ہم پر امام کے قول کے مطابق خواہ مشایخ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو فتویٰ دینا کس طرح واجب ہوا ؟ ہم قرآن کے فتاویٰ کو نقل کر رہے ہیں اور لیس ! فلیتأمل انتہی ۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ مشایخ امام کی دلیل پر مطلع ہوئے اور انہیں پتا چل گیا کہ امام نے یہ بات کہاں سے کہی ہے ، اور وہ ان کے

بان الفتوى على قول غيره فليس للقاضي ان
 يحكم بقول غير ابي حنيفة في مسألة لم يرفع فيها
 قول غيره ورجحوا فيها دليل ابي حنيفة عليه
 دليله فاما حكمه فيها بحكمه غير ما من ليس له
 خيرا لا شقا فانتهى الله كلامه في الرسالة
 وذكر نحوه في المختار من القضاء و زاد في
 نسخة المصنف انت ترى اصحاب المتن المعتقد
 قد يمشون على غير مذهب الا امام و اذا اقتص
 المشايخ بخلاف قوله لفقد الدليل في
 حقهم فنعمن نتبعهم اذ هم اعلم وكيف يقال
 يجب علينا الا نقتا يقول الامام لفقد الشرط
 وقد اقرانه قد فقد الشرط ايضا في حق المشايخ
 فهل تراهم ارتكبوا منكرا او المعاصي انت
 الصفات الذي يقبله الطبع السليم انت
 المفتى في ما ينقل ما افتاء المشايخ وهو
 الذي مشى عليه العلامة ابن الشلب
 في فتاواه حيث قال الاصل ان العمل على
 قول ابي حنيفة رضي الله تعالى عنه ولهذا
 ترجيح المشايخ دليله في الاغلب على دليل
 من خالفه من اصحابه ويجيبون ما استدلل
 به مخالفه وهذا اما في العمل بقوله وان
 لم يصرحوا بالفتوى عليه اذ الترجيح كصريح
 التصحيح لان المرحوم طائفة بمقابلة بالمرحوم

اصحاب کی دلیل پر بھی مطلع ہوئے، اب کہیں وہ ان کے
 اصحاب کی دلیل کو ان کی دلیل سے زیادہ و زنی پاتے
 ہیں تو وہ اس کو ترجیح دے کر اس کے مطابق فتوے
 دے دیتے ہیں ان کے بارے میں یہ گمان تک نہیں
 کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے امام کے قول سے اس لیے
 انحراف کیا ہے کہ وہ ان کی دلیل پر مطلع نہ ہوئے۔ ہم
 دیکھتے ہیں کہ ان حضرات کی کتب اول سے بھری پڑی
 ہیں پھر ان دلائل کے بعد فرماتے ہیں کہ فتویٰ مثلاً ابو یوسف
 کے قول پر ہے اور چونکہ ہم دلیل میں غور کرنے کے اہل نہیں
 ہیں اور ان کے مزید تک نہیں پہنچ پاتے ہیں، تقریر و
 تاویل کے شرائط ہم میں موجود نہیں تو ہم پر لازم ہے کہ
 ہم ان کے اقوال کی حکایت کریں کیونکہ وہ مذہب کے
 پیروکار ہیں انہوں نے اپنے اجتہاد سے اس مذہب کی
 تقریر و تقریر کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے ہم نے علامہ
 قاسم کا جو قول ذکر کیا ہے اس پر غور کیجئے وہ فرماتے
 ہیں مجتہدین سے مختلف اقوال میں غور و فکر کی اور ترجیح و
 تصحیح کا سلسلہ جاری رکھا، پس ہم پر لازم ہے کہ
 ہم راجح قول کی پیروی کریں اور اس پر عمل کریں جیسا کہ
 اگر وہ اپنی زندگی میں فتویٰ دیتے تو ہم پر لازم تھا کہ اس
 پر عمل کریں (اور) علامہ ابن شلبی کے فتاویٰ میں ہے
 کہ قاضی اور مفتی کہ امام کے قول سے انحراف جائز نہیں
 ہاں اگر مشایخ میں سے کوئی اس امر کا تصریح کرے
 کہ فتویٰ غیر کے قول پر ہے، تو اگر کسی مسلم میں غیر کا قول

وحيث قد لا يعدل المفتي ولا القاضي عن قوله الا اذا اصرح ابي اخر ما صرح به وهو الذي مشى عليه المشيخ علاء الدين الجصيني ايضا في صدر شرحه على التنوير حيث قال واحسا نحن فعلينا اتباع ما رجحناه وما صححناه كما لو افترقا في حيا تقسم فان قلت قد يحكون اقوالا بلا ترجيح وقد يختلفون في التصحيح قلت يحصل بمثل ما عملوا من اعتبار تغير العرف واحوال الناس وما هو الا لافق وما ظهر عليه التعامل وما قوی دجبه ولا يغلو الوجود من يميز هذا حقيقة لا ظنا وعلى من لم يميز ان يرجع لمن يميز لبيان ذمته اه والله تعالى اعلم -

راجع نہ ہوا اور امام کی دلیل کو غائب کی دلیل پر ترجیح حاصل ہو تو قاضی کو روا نہیں کہ وہ امام کے قول کے علاوہ کسی اور کے قول پر فتویٰ دے، اور اگر وہ ایسا حکم کرے تو اس کا حکم جاری نہ ہوگا اور اس کو ختم کر دینا لازم ہے اور رد المحتار کی کتاب القضاء میں بھی یہی مذکور ہے اور منہ الخالق میں اتنا اضافہ کہ آپ دیکھتے ہیں کہ اصحاب متون معتبرہ نہ سب امام کے علاوہ کسی اور کے قول پر اس وقت فتویٰ دیتے ہیں جبکہ مشایخ نے ان کے قول کے برعکس فتویٰ دیا ہو کیونکہ ان کے حق میں دلیل موجود نہیں ہے، لہذا ہم ان کی پیروی کریں گے کیونکہ وہ ہم سے زیادہ جانتے والے ہیں تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ہم پر لازم ہے کہ ہم امام کے قول پر فتویٰ دیں اس لیے کہ شرط مفقود ہے اور اس پر اقرار کیا ہے کہ مشایخ کے حق میں بھی شرط مفقود ہے تو کیا تمہارے خیال میں انہوں نے کچھ بڑا کیا، حاصل کلام یہ ہے کہ طبع سلیم جو انصاف سے کہتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں مفتی کا کام صرف یہ ہے کہ ہمارے مشایخ نے لکھا ہے اس کو نقل کرے، علامہ ابی شلبی نے اپنے فسادے میں یہی فرمایا ہے فرماتے ہیں کہ اصل یہی ہے کہ فتویٰ قول ابی حنیفہ پر ہو، یہی وجہ ہے کہ مشایخ آپ ہی کے قول کی ترجیح کے دلائل فراہم کرتے ہیں اور مخالفین نے جو کچھ ان کی بابت فرمایا ہے اس کا جواب دیتے ہیں، اور یہ اس امر کی علامت ہے کہ ان کے قول پر عمل ہے اگرچہ وہ لکھا کی تصریح نہ کریں کہ فتویٰ ابو حنیفہ کے قول پر ہے، کیونکہ ترجیح صریح تصحیح کی طرح ہے کہ راجح کے مقابل مرجوح کی کوئی حیثیت نہیں، ایسی صورت میں مفتی یا قاضی کو ابو حنیفہ کے قول سے عدل نہیں کرنا چاہئے مگر یہ کہ جب وہ تصریح کرے، آخر تک۔ فرمایا کہ یہی روش علاء الدین جصینی نے شرح تنویر میں اختیار کی، فرمایا ہم تو ان کی ترجیح و تصحیح کی پیروی کر لے واسے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح وہ اپنی زندگی میں فتویٰ دیتے، اگر یہ سوال کیا جائے کہ مشایخ کسی بلا ترجیح محض اقوال کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں اور کبھی تصحیح میں اختلاف کرتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں جس طرح انہوں نے عمل کیا ہے ہم کو بھی کرنا چاہئے

اس میں معرفت عام اور تبدیلی زمانہ کا لحاظ ضروری ہے، اور یہ دیکھنا ہوگا کہ کون سی صورت آسانی کی ہے اور کس پر تعانکی ہے اور کس کی دلیل قوی ہے، اور ایسے لوگوں سے زمانہ خالی نہیں ہے جو ان امور میں حقیقی امتیاز کر سکیں نہ کہ محض ظن و تخمین سے اور جو لوگ خود امتیاز نہ کر سکیں وہ ایسے لوگوں سے مدد لینا امتیاز کر سکتے ہیں تاکہ وہ بڑی الذمہ ہو سکے
واللہ تعالیٰ اعلم (اصول)

اقول: وتلك شككاً خلاصاً عنك عارها،

ولنفذ مرليباً بالصواب مقدمات تكشف
الحجاب الأولى ليس بحكاية قول افتاء
به فانا نحكي اقوالاً خارجة عن المذهب
ولا يتوهم احد اننا نفق بها انما الافتاء المت
تعتمد على شيء وتبين لنا تلك ان هذا حكم
المشروع في ما سألت وهذا الا يعمل لاحد من
دون ان يعرفه عن دليل شرعي والا كان
جزافاً واختراء على الفروع ودخولاً تحت قوله
عز وجل ام تقولون على الله ما لا تعلمون
وقوله تعالى قل الله اذن لكم ام على الله تفترقون
الثانية الدليل على وجهين احدهما تفصيلي
ومعرفته خاصة باهل النظر والاجتهاد فان
غيره وان علموا دليل المجتهد في مسألة لا
يعلمه الا تقليد كما يظهر مما بينا في رسالتنا
المباركة ان شاء الله تعالى الفضل الموهبي
في معنى اذا صح المحدث فهو مذهبي فان
قطع تلك السائل التي بينا فيها لا يمكن الا
المجتهد واشار الى بعض قليل منه في مقود

میں کہتا ہوں یہ ایسی شکایت ہے جس کی عارضہ
سے ظاہر ذرائع ہونے والی ہے، اب ہم کچھ تعمیری مقدمات
بیان کرتے ہیں جن سے حق کی دفعت میں آسانی
ہوگی۔

پہلا مقدمہ کسی قول کی حکایت، اس قول پر افتاء
کے تراجم نہیں، کیونکہ ہم بہت سے ایسے اقوال بیان
کرتے ہیں جو مذہب (یعنی حقیقہ) سے الگ ہوتے ہیں
اور کوئی بھی نہیں سمجھتا ہے کہ ہم ان اقوال پر فتویٰ دے رہے
ہیں، افتاء کے معنی یہ ہیں کہ ہم کسی چیز پر اعتقاد کریں اور
مسائل کو بتائیں کہ تم نے جو سوال کیا ہے اس میں شرع کا
یہ حکم ہے اور یہ اس کے لیے حلال ہے جو کسی چیز کو اس
کی شرعی دلیل سے پہچانتا ہو، ورنہ یہ غلط ہوگا اور شرعیہ
پر افتراء ہوگا، اور ایسا کرنے والا اللہ کے اس قول کا
مصدق ہوگا "کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جس کا تم کو
علم نہیں۔ نیز فرمادیکجے کیا اللہ نے تمہیں اجازت
دی ہے کہ تم اللہ پر افتراء بانہ مانتے ہو۔"

دوسرا مقدمہ دلیل کی دو قسمیں ایک تو تفصیلی
ہے اور اس کی معرفت اہل نظر و اجتہاد کے ساتھ
خاص ہے کیونکہ دوسرے حضرات اگر کسی مسئلہ میں مجتہد

دسرو المقتضى اذ نقل فيها ان معرفة الدليل
انما تكون للمجتهد لتوقفها على معرفة سلامته
من المعارض وحل متوقعة على استقرار الال
كلها ولا يقدّر على ذلك الا المجتهد اما مجرد
معرفة ان المجتهد اخذ الحكم العنلاني
من الدليل العنلاني فلا قاشد فيها اها واجمل
كقولہ سبحنہ فاسألوا اهل الذکر انہ کنتم
لا تعلمون وقولہ تعالیٰ اطيعوا اللہ واطيعوا
المرسلین اول الامر منکم فانہم العلماء على
الا صبح وقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا
سألوا اذ لم یعلموا فانما شفاء العی السؤل و
من هذا نقول ان اخذنا باقوال اما هنا ليس
تعليد اشريعا بكونه من دليل شرعي انما هو
تعليد عرفي لعدم معرفتنا بالدليل التفصيلي
اما التعليد الحقيقي فلا صلاح له في الشرع وهو
المراد في كل ما ورد في ذكر التعليد والجهال
الفضليل يلبسون على العوام فيعملونه على
التعليد الصريح الذي هو فرض شرعي على
كل من لم يبلغ مرتبة الاجتهاد قال المصدق
البهامي في مسلم الثبوت التعليد العملي
يقول الغير من غير حجة اخذ العاصي والمجتهد
من مثله فالرجوع الى النبي صلی اللہ تعالیٰ
له رسالہ شرح عقود من مجموعہ رسائل ابن عابدین

سہ القرآن ۳۳/۱۲

سہ سنن ابی داؤد باب الجہود ویتیم

مجتہد فی دلیل ۲۹/۱

کی دلیل جائیں گے بھی تو بطور تعلید جائیں گے، جیسا کہ ہم
نے اس کو اپنے رسالہ مبارک "الفضل السوہبی فی معنی
اذا صحت الحدیث فهو حدیث ہی" میں وضاحت
سے بیان کر دیا ہے کیونکہ جو مسائل ہم نے اس میں بیان
کی ہیں ان کو طے کرنا مجتہد کے سوا اور کسی کے بس کا
رہو گی نہیں، اس کا کچھ حصہ عقود رسم المقتضى میں بیان
کیا ہے، اس میں بیان کیا ہے کہ دلیل کی معرفت مجتہد
ہو کہ حاصل ہوتی ہے، کیونکہ دلیل کی صحت اس پر موقوف
ہے کہ وہ دوسرے دلائل سے متعارض نہ ہو، اور یہ
چیز اسی وقت معلوم ہو سکتی ہے جب آدمی تمام دلائل
کا استقرا رتیق اور تلاش کرے اور یہ صحت مجتہد ہی
کو سکتا ہے، صرف اتنی بات کا جائز لینا کہ فلاں مجتہد
نے یہ حکم فلاں دلیل سے حاصل کیا ہے تو اس میں کچھ
خا نہ نہیں، اصریا اجمالی ہوگی جیسا کہ فرمایا الہی ہے
"وتم اہل علم سے دریافت کرو اگر تم نہ
پہانتے ہو" اور فرمایا الہی "اطاعت کرو تم اللہ کی اور
اطاعت کرو رسول اور صاحبان امر کی"۔ کیونکہ اصح
قول کے مطابق اول الامر سے مراد علماء ہیں، نیز
مفسر کا ارشاد ہے جب ان کو معلوم نہ تھا تو انہوں
نے دریافت کیوں نہ کیا، کیونکہ جہل کی بیماری کی شفا
سوال کرنے میں ہے، اور یہی وجہ ہے ہم کہتے ہیں
کہ ہمارا اپنے امام کے اقوال کو قبول کرنا شرعی تعلید

سہیل اکیدھی لاہور ۳۰/۱

سہ القرآن ۵۹/۲

حذیہ وسلم اوائلی الاجماع لیس منہ وکذا العامی
 الی المفتی والقاضی الی الصدولی لا یجاب النسخ
 ذلک علیہما لکن العرف علی ان العامی مقلد المجتہد
 قال الامام وعلیہ معظم الاصولیین وشرحه
 الصدولی بحر العلوم فی فوائد الرحموت حکذا (التقلید
 العمل بقول الغیر من غیر حجة) متعلق بالعمل
 والمراد بالحجة حجة من الحجج الاسریع
 والاقول المجتہد دلیلہ وحجته (کاخذ
 العامی) من المجتہد (و) اخذ (المجتہد عن
 مثله فالرجوع الی النفس علیہ) والدہ واصحابہ
 (الصلوة والسلام اوائلی الاجماع لیس منہ)
 فانه مرجع الی الدلیل (وکذا) مرجع (العامی
 الی المفتی والقاضی الی الصدولی) لیس هذا
 الرجوع نفسہ تقلیداً وانما کان العمل بما اخذوا
 بعد تقلید (لا یجاب النسخ ذلک علیہما)
 فهو عمل بحجة لا بقول الغیر فقط (لکن
 العرف) دل (علی ان العامی مقلد للمجتہد)
 بالرجوع الیہ (قال الامام) امام الحرمین
 (علیہ معظم الاصولیین) وهو المشتہر
 المعتمد علیہ اه

نہیں ہے، کیونکہ یہ دلیل شرعی سے ہے یہ تو حق معرفت
 کے اعتبار سے تقلید ہے، کیونکہ میں تفصیل دلیل کا مسلم
 نہیں، اور تقلید حقیقی کا تو شریعت میں کوئی بواز نہیں اور
 جن روایت میں جاہلون اور گمراہوں کی تقلید کی مذمت کی گئی
 وہ یہی ہے، مگر اہل لوگ غوام کو دھوکا دے کر اس کو تقلید
 عرفی پر محمول کر کے ہیں جو ہر اس شخص پر فرض ہے جو مرتبہ
 اجتہاد پر فائز نہ ہو، مدق یہاں ہی تھے مسلم الثبوت میں
 فرمایا "تقلید غیر کے قول پر بلا حجتہ عمل کا نام ہے جیسے
 عام آدمی کا عام اور مجتہد کا مجتہد سے کچھ حاصل کرنا، تو
 حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا اجماع کی طرف رجوع
 کرنا تقلید نہیں ہے، اسی طرح عام آدمی کا مفتی سے
 رجوع کرنا اور قاضی کا عادل گواہوں کی طرف رجوع کرنا
 کیونکہ یہ نص ہے ان پر واجب کیا ہے، مگر معرفت میں یہ
 ہے کہ عام شخص مجتہد کا مقلد ہے، امام نے فرمایا اصولوں
 کی بڑی تعداد اسی پر ہے اور بحر العلوم نے فوائد الرحموت
 میں اسی کی شرح اس طرح کی ہے "تقلید غیر کے قول
 پر بلا حجتہ عمل کرنا ہے" اس کے متعلق عمل سے ہے اور حجتہ
 مجہد مراد اولہ اور بعد میں، ورنہ تو قول مجتہد بھی اس کی
 دلیل اور حجتہ ہے (جیسے عام آدمی) مجتہد کا قول قبول
 کرنے (اور) مجتہد اپنی ہی طرح کسی اور مجتہد سے لے

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا یا اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں کیونکہ یہ دلیل کی طرف رجوع ہے
 (اور اسی طرح) رجوع عام آدمی کا مفتی کی طرف اور قاضی کا عادل گواہوں کی طرف) یہ تقلید نہیں اگرچہ اس پر

اس کے بعد عمل کو تائید ہے (کیونکہ ان پر پیرائے نے واجب کی ہے) یہ جوت پر عمل ہے قول غیر پر عمل نہیں ہے (لیکن عرف، ولایت کو قی ہے کہ عام آدمی جتنے کا مقلد ہے) کہ ان کی طرف رجوع کرنا ہے (امام نے فرمایا) یعنی امام الحرمین نے (کہ اسی پر اصولوں کی بڑی جماعت ہے اور یہی مشہور و معتد ہے اہل

اقول فیہ نظر من وجہ فتاویٰ

لا فرق فی الحكم بین الاخذ والمرجع حیث لا رجوع الا للاخذ اذ لم یوجب الشرح الا له ولو سأل العامی اما مع ولم یعمل به کان عابثا متلاعبا والشرح متعالی عن الامر بالعبث فان لم یکن المرجع تفسیر الوجوب بالنص لم یکن الاخذ ایضا من التعلیل قطعا لوجوبه بعین النص وثانیاً الایة الاولى اوجبت الرجوع والثانیة الاخذ فطاح الفرق وثالثاً حیث اتحد مأل المرجع والاخذ فعلى تقریر المباح یتقاضى قوله التعلیل اخذ العامی من المجتهد وقوله لیس منه رجوع العامی الی المفتق فان المفتق هو المجتهد کما فی المتن متصلاً بما مروراً یحتمل ان امریذ بحجة من الادب التفسیریة احیاً الخاصة بالجزئیة النازلة بطل قوله فالرجوع الی الشیء صلی الله تعالی علیه وسلم اذ الاجماع لیس منه فانه لا یكون عن امر الله الدلیل التفسیری وان امرید الاجمالیة کالعمومات الشویحیة بطل جعله اخذ العامی عن المجتهد وتعلیل افانہ ایضا عن دلیل شرعی وتخصیصاً اذ قد حکم اولاً ان اخذ العامی عن المجتهد تعلیل فما

میں کتابوں اس پر کئی اعتراضات ہیں :
اول اس میں کوئی فرق نہیں کر لیا جاسکتا یا عرف کیا جائے، کہ رجوع تو اخذ ہی کے لیے ہوتا ہے کیونکہ شریعت نے اس کو اخذ ہی کے لیے ضروری قرار دیا ہے اور اگر عام آدمی اپنے امام سے سوال کرے لیکن اس کی بات پر عمل نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ شکی مذاق کر رہا ہے اور شریعت میں اس کی اجازت نہیں، تو اگر رجوع تعلیل نہ ہو کیونکہ وہ نص کی رو سے واجب ہے تو اخذ بھی تعلیل نہ ہو گا کیونکہ وہ بھی نص ہی سے واجب ہے۔

دوم پہلی آیت کی رو سے رجوع لازم ہے اور دوسری کی رو سے لینا ضروری ہے، تو فرق ختم ہوا۔
سوم جب رجوع اور اخذ کا مائل متحد ہوا تو شارح کی تقریر کے مطابق ان کا یہ قول متناقض ہو گیا کہ تعلیل عام شغل مجتہد سے لینا ہے، اور ان کا یہ قول کہ اس سے عامی کا رجوع مفتی کی طرف نہیں، کیونکہ مفتی مجتہد ہی ہے جیسا کہ متن میں اس کے متصل بیانی ہوا۔

چہارم اگر اولہ اربعہ سے مراد تفصیل اولہ ہیں، یعنی وہ اولہ جو ایک ایک جزئی سے متعلق ہیں تو ان کا یہ قول باطل ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اجماع کی طرف رجوع اس سے نہیں، کیونکہ یہ دلیل

معنی الاستدلال علیہ بقولہ لکن العرف الم
وساد لیس نفس الرجوع تعلیداً قط و
الانکان سرجعنا فی کتب الشافعیہ لنعلم ما
مذہب الامام المطلبی فی المسألة تعلیداً لہ
ولایتہما احد و ساد لیساً مثله او اعجب من
جعل اخذ القاضی بشهادة الشهود تعلیداً اعتہ
لہم فانه تعلید لا یعرفہ عرف ولا شرع
ومن یجاسر ان یشی قاضی الاسلام ولو ابایہ
مقلدہ صیین اذا قضی بشهادة یتھما علی ذل
بل الحق فی حل المسئلہ ہا رأیتنی کتبت علیہ
ھكذا (التعلید) الحقیقی هو (العمل بقول
الغیر من غیر حجة) اصلاً (کاخذ العامی)
من مثله وھذا بالاجماع اذ لیس قول العامی
حجة اصلاً لا لنفسہ ولا لغيرہ (و) کذا

نعم بل وامرأ المؤمنین الخلفاء الراشدین
رضی اللہ تعالی عنہم وانت تعلم انه لیس
الاتقن بقول الشہود فیما اخیروا بہ عدت
واقفہ حسیة شہد وھا ولو کان ھذا التعلید
لم یسلم من تعلید احاد الناس امامہ ولا
عمامی ولا نبی و فی مسلم قولہ صلی اللہ تعالی
علیہ وسلم جدنا تمیم الداری اھ منہ
غفر لہ (م)

تعلیل کے اور اک کے بغیر ممکن نہیں، اور اگر اولہ سے
مراد اجمالی اولہ ہیں جیسے شرعی عموماً تہ تو اس کے
بار سے میں یہ قرار دینا کہ عامی کا مجتہد سے لینا تعلید ہے
کیونکہ یہ بھی شرعی دلیل سے ہے باطل ہر جائزہ گا۔
پہنچ پہنچ یہ حکم کیا ہے کہ عامی کا مجتہد سے لینا
تعلید ہے تو پھر لکن العرف سے استدراک کرنے کے
کیا معنی ہیں !
مشتم نفس رجوع تعلید نہیں ہے ورنہ ہمارا
شافعیوں کی کتب کی طرف رجوع کرنا تاکہ امام شافعی
کا مذہب معلوم کریں، بھی تعلید ہوتا۔ حالانکہ یہ بات
سوچی بھی نہیں جاسکتی ہے۔

پہنچ اسی طرح بلکہ اس کے عجیب ترین ہے
کہ قاضی کا گواہیاں لینا بھی تعلید بن جائے گا اور یہ ایسی
تعلید ہے جو نہ عرف میں تعلید ہے اور نہ شرع میں، اگر

بلکہ کوئی شخص جرات کر سکتا ہے کہ خلفائے راشدین کہ
ذمیروں کا مقلد کچھ اور آپ جانتے ہیں کہ قاضی تو صرف
گواہوں کے اس قول سے وثوق حاصل کرتا ہے
اس معاملہ میں جس واقعہ حیدر کا محضوں نے مشاہدہ
کیا ہو اگر اس چیز کا نام تعلید ہے تو کوئی امام، عمامی
اور نبی تعلید سے سالم نہ ہے گا اور مسلم شریفین میں
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ میں تمیم داری
نے حدیث بیان کی ہے اھ منہ غفر لہ (ن)

فرع کیجئے کہ امام یوسف (وہ میری کی شہادت پر فیصلہ دیتے تو کیا کوئی شخص یہ جرات کر سکتا ہے کہ اُن کو ذمہ لیا کا مقدمہ کرے۔ متن کے علی میں جو حق بات ہے وہ یہ ہے (تقلید) حقیقی (وہ غیر کے قول پر بلا حجت عمل کرنا ہے جیسے عامی کا لینا) اپنی شکل سے، اور یہ بالاجماع ہے کیونکہ عامی کا قول قطعاً حجت نہیں، نہ اپنے لیے نہ غیر کے لیے (اور) اسی طرح (مجتہد کا اپنی شکل سے لینا مذہب جمہور کے مطابق، اور وہ یہ ہے کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ جب یہ اصل سرچشمہ سے استفادہ کر سکتا ہے تو اس کے حق میں حجت وہی اصل ہے، اب اس کا ایک ظن کی طرف رجوع کرنا جو خود اس کے اپنے ظن سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہے اس کے حق میں حجت نہیں ہوگا بلکہ حقیقی تقلید ہوگا، تو مشلہ کی ضمیر عامی اور مجتہد میں سے ہر ایک کی طرف ہے، ہر حق مجتہد کی طرف نہیں ہے، اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ حقیقی تقلید کی بنیاد حجت کا موجود نہ ہونا ہے (تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا اجماع کی طرف رجوع) اگرچہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان یا اجماع کی دلیل تفصیل معلوم نہ ہو (تقلید نہیں ہے) کیونکہ شرعی حجت موجود ہے خواہ اجماعی سمی، (اور اسی طرح عامی، کا رجوع کرنا، یعنی جو مجتہد نہ ہو) (مفتی جیسا کہ ہر دوق واسطے پر غنی نہیں ہو جائیکہ اس کے لازم کہ طرف نظر کی جائے۔ دت)

مفتی کو مقدر ماننا دلی کے مقدر ماننے سے بہتر ہے جیسا کہ غنی نہیں۔ (دت)

اخذ (المجتہد من مثله) علی مذہب الجمہوری
من عند مرجعہ ان تقلید مجتہد مجتہد (اخری
وذلك لانه لما كان قاعداً على الاخذ عند
الاصل فالحجة في حقه هو الاصل وعدوله
عنه الى ظن مثله عدول الى ما ليس بحجة
في حقه فيكون تعليده احقيقاً فالضمير في مثله
الى كل من العامى والمجتهد لا الى المجتهد
خاصة واذا عرفت ان التقليد الحقيقي يعتد
اشفاء الحجة مأساً (فالرجوع الى الظن
صلى الله تعالى عليه وسلم اولى الاجماع) وان
لم نعرف دليل ما قاله صلى الله تعالى عليه
وسلم او قاله اهل الاجماع تفصيلاً (ليس
منه) اي من التقليد الحقيقي لوجود الحجة
الشرعية لواجباً لا (وكننا) مرجوع (العامى)
منه ليس مجتهداً (الى المفتي) وهو المجتهد
(و) رجوع القاضي الى الشهود والعدول لواجباً
بقوله ليس من التقليد في شيء لا نفس الرجوع
ولا العمل به (لا يجاب النص) ذلك الرجوع
والعمل (عليها) فيكون عملاً بحجة ونسوة
اجمالية كما عرفت هذا هو حقيقة التقليد
(لكن المصنف) مفتي (عليه السلام) على مقتضى
عليه كما لا يخفى على كل ذي ذوق فضلاً عن النظر
الى ما يلزم ۱۲ منہ - (م)
عليه مقتدرہ اولی من مقتدرہ لکما لا يخفى
او منہ مختارہ - (م)

المجتہد) فجعل عملہ بقولہ من دون
 معرفة دليله التفصيلي لتعليق الله وان كان انما
 يرجع اليه لان ما هو شرعا بالرجوع اليه
 والاخذ بقوله فكان من حجة لا غيرها و
 هذا الاصطلاح خاص بهذه الصورتين فالعمل
 بقول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وقول
 اهل الاجماع لا يسميه العرف ايضا تقليدا
 (قال الامام) هذا عرف العامة (و) مشي
 (عليه معظم الاصوليين) والاصطلاحات
 سائفة لا محل فيها للتذليل بان هذا
 ضعيف وذلك معتد كما لا يخفى هذا هو
 التقرير المصحيح لهذا الكلام والله تعالى
 وفي الانعام الثالثة اقول **حيث**
 علمت ان الجمهور على من اهل النظر من
 تقليد غيره وحسنهم اخذ بقوله من دون
 معرفة دليله التفصيلي يرجع الى التقليد
 الحقيقي المعطور اجماعا بخلاف العاقل فان
 عدم معرفته الدليل التفصيلي يرجب
 عليه تقليد المجتهد والالزام التكليف بما
 ليس في الواسع او تركه سدى ظهوران عدم
 معرفة الدليل التفصيلي له اثران تحريم
 التقليد في حق اهل النظر واجابة في حق
 غيرهم ولا ضرر ان يكون شئ واحد موجبا
 ومحرم ما مع الشئ اخر باختلاف الوجه فعدم
 المعرفة لعدم الاهلية موجب للتقليد و

کی طرف) جو مجتہد ہے (اور) قاضی کا رجوع گواہوں
 کی طرف (جو عادل ہوں) اور گواہوں کے قول کو
 لینا تقلید نہیں ہے، نہ کہ نفس رجوع اور نہ اس کے
 بعد عمل (کیونکہ یہ نص سے واجب ہے) یہ رجوع اور
 عمل (ان دونوں پر) تو عمل مجتہد پر ہی ہوگا اور اگرچہ
 مجتہد اجمالیہ ہی ہوگا جیسا کہ آپ نے پہچانا، یہی
 حقیقت تقلید ہے (لیکن عرف) اس پر ہے کہ (عامی
 مجتہد کا مقلد ہوتا ہے) تو انہوں نے اس کا عمل
 اس کے قول "بغیر دلیل تفصیلی کی معرفت کے اس
 کی تقلید قرار دیا ہے، اگرچہ اس کی طرف رجوع کی
 وجہ یہ ہے کہ اس کی طرف رجوع کرنے اور اس کے قول
 کو اخذ کرنے کا حکم شرعاً ہے، تو یہ مجتہد کی وجہ سے ہوا نہ کہ
 بلا مجتہد، اور یہ اس صورت کے ساتھ خاص اصطلاح ہے
 تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو اختیار کرنا اور
 اہل اجماع کے قول کو اختیار کرنا عرف میں تقلید نہیں
 کہلاتا (امام نے فرمایا) یہ عام عرف ہے (اور اسی پر)
 عام اصولی چلے ہیں اور اصطلاحات میں اس طرح کے
 مناقشات کی گنجائش نہیں ہوتی ہے کہ یہ ضعیف ہے
 اور وہ معتد ہے جیسا کہ غی ہر ہے، یہ صحیح تقریر ہے
 اس کلام کی، اللہ تعالیٰ انعام کا دانی ہے۔
 تیسرا مقلد عامیہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ مجتہد
 کے نزدیک اہل نظر کو تقلید ممنوع ہے اور ان کے نزدیک
 غیر کے قول کو اختیار کرنا بلا دلیل تفصیلی کی معرفت کے
 حقیقی تقلید ہے جو ممنوع ہے اجماعاً، بخلاف عامی
 کے کہ اس کا دلیل تفصیلی کو پہچانتا اس پر لازم کرتا ہے

کہ وہ مجتہد کی تقلید کرے ورنہ تکلیف بمالایطاق لازم
 آئے گی یا اس کے کو عمل چھوڑنا لازم آئے گا، اس سے
 معلوم ہوا کہ دلیل تفصیلی کے نہ جاننے کے دو اثر ہیں
 اپنی نظر کے حق میں تقلید کا نہ ہونا، اور دوسروں کے حق
 میں تقلید کا ہونا، اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ
 ایک ہی چیز واجب بھی ہو اور حرام بھی، یعنی وجہ میں
 اختلاف کی وجہ سے، تو عدم اہلیت کی وجہ عدم معرفت
 تقلید کا موجب ہے اور اہلیت کے ساتھ حرام ہے۔
 چوتھا مقدمہ فتویٰ کی دو قسمیں ہیں، عرفی اور حقیقی۔
 حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے
 یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصحابِ فتویٰ کہا جاتا ہے اور
 کہا جاتا ہے یہی فتویٰ دیا ہے فقیر ابو جعفر اور فقیر
 ابو اللیث اور ان کے امثال نے، اور عرفی فتویٰ چہ
 کہ عالم لوگوں کو امام کے اقوال بتا دے، وہ دلیل کو
 نہ جانتا ہو، محض تقلید کے طور پر ایسا کرے، غیبی
 کہا جاتا ہے فتاویٰ ابن نجیم، مغزی، طبری اور فتاویٰ
 خیرہ وغیرہ، اور بعد کے زمانہ میں فتاویٰ رضویہ ہے
 اللہ تعالیٰ اس کو پسندیدہ اور راضی کرنے والا بنادے
 پانچواں مقدمہ میں کہتا ہوں وہ باللہ التوفیق،
 قرآن و قسم کے ہیں ضروری اور ضروری۔ تو ضروری وہ
 منقول قول ہے اور ضروری وہ ہے جو کسی قائل کا قول
 نہ ہو خاص طور پر لیکن وہ قول ضمنت آگیا ہو، اور
 ضرورتاً اس کا حکم کیا گیا ہو، یعنی اگر اس شخص
 میں وہ کلام کرتا تو یہ کلام کرتا، اور ایسا اوقات
 حکم ضروری حکم ضروری کے تحت ہوتا ہے، اور

معہا محررہ الرابعۃ فی الفتوی حقیقیہ و
 عرفیۃ فالحقیقیۃ ہوالافتاء عن معرقۃ الدلیل
 التفصیلی واولئک الذین یقال لہم اصحاب
 الفتوی ویقال بہذا الفتی الفقیہ ابو جعفر و
 الفقیہ ابو اللیث واضواءہما رحمہما اللہ تعالیٰ
 و العرفیۃ اخبار العالم باقوال الامام جاحدا
 عنہا تقلید الہ من دون تلك المعرفة كما یقال
 فتاویٰ ابن نجیم و الفزی و الطبری و الفتاویٰ
 الخیریۃ و ہلک تنزلان مانا ورتبۃ الی الفتاویٰ
 الرضویۃ جعلہا اللہ تعالیٰ مرضیۃ مرضیۃ
 آمین **الخامسۃ اقول** وبالله التوفیق
 القول قولان صوری و ضروری فالصوری هو
 القول المنقول و الضروری ما لم یقلہ العاقل
 فصا بالخصوص لکنہ قائل بہ فی ضمن العموم
 المعاکر ضروری بان لو تکلم فی هذا لخصوص
 لتکلم کذا و بیا یخالف الحکم الضروری الحکم
 الصوری و حق یقض علیہ الضروری حتی ان
 الاخذ بالصوری بعد مخالفتہ للقائل العدو
 عنہ الی الضروری موافقۃ او اتباعا لہ کأن
 کان شریکا فامر عمر و خدامہ یا کرامہ
 فصا جہارا و کسر ذلک علیہم موافقا و قد کان
 قال لہم یا کرم ان تکرموا فاستقاموا
 فبعد من حان فستق شریک عدا نیۃ فان اگر وہ
 بعد لاخذ امہ عملا بنصہ العکرو المقصر
 لکانوا عاصیین وان ترکوا اکرامہ کا خواطی ہیں

ایسی صورت میں ضروری غالب ہے ہوتا ہے اور اگر اس صورت میں کوئی ضروری کو اختیار کرے تو قائل کی مخالفت قرار پاتا ہے اور اس کو چھوڑ کر ضروری کی طرف آنا،

اس کی موافقت اور ابتداء کلاماً ہے، مثلاً زید ایک نیک شخص ہے تو عمر نے اپنے خادم کو اس کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا، اور مراحت کے ساتھ کھلم کھلا دیا، اور باہر سے ٹکرا دیا اور وہ یہ پہلے کہ چکا تھا کہ تم کسی حق کی تعظیم بھی نہ کرنا، اب ایسا ہو کہ کچھ عرصہ بعد زید فاسق ہو گیا اب اگر اس شخص کے خادم پہلے نص کی وجہ سے اس کی تعظیم کریں تو گناہگار ہوں گے اور نہ کریں تو قربان ہوں گے اور اس قسم کی چیزیں اقوال ائمہ میں ہوتی ہیں اور ان کے اسباب یہ ہو سکتے ہیں، (۱)، ضرورت (۲)، سرج (۳)، معرفت (۴)، تعامل (۵)، اہم مصلحت (۶)، فساد، اور یہ اس لیے ہے کہ ضرورتوں کا استثناء، عروج کا دفع کرنا اور مصالح و مفید کی رعایت جو زیادہ مفاسد سے خالی ہوں اور مفاسد کم ہو کر بنا، معرفت کو اختیار کرنا اور تعامل پر عمل کرنا یہ ایسے شرعی قواعد کلیہ ہیں جو سب کو معلوم ہیں، اور ائمہ یا توان کی طرف مائل ہیں یا ان کے قائل ہیں یا ان پر اعتماد کرتے ہیں، اگر کسی مسئلہ میں امام کی نص موجود ہو اور پھر یہ مفید آست پاسے جائیں تو ہم قطعی طور پر یہ جہاں لیں گے کہ اگر یہ امر ضرور نام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں ہوتے تو آپ کا قول ان کے مقتضاً ہوتا نہ کہ ان کے خلاف، تو ایسی صورت میں ان کے ضروری قول پر عمل جو آپ سے منقول نہ ہو یہ آپ ہی کے قول پر عمل ہے، نہ یہ کہ آپ کے منقول قول پر مجبوس ہے، اور عقود میں اس

وہ مشاغل الاثمۃ اما الحدوث
وہ خروج او معرفت او تعامل او مصلحت
مهمة تعذيب او مفسدة صلبة تسلب وذلك
لان استثناء الضرورات ودفع الضرر وضرراً
المعامل الدينية الخالية عن مفسدة
تربو عليها ودرع الفاسد والاخذ بالعرف
والعمل بالتعامل كل ذلك قراحد كليست
مطلوبة من الشرح ليس احد من الاثمة
الامثلة اليها وقائلها وعلو عليها فاذا
كان في مسألة نص الامام ثم حدث احد
تلك التغيرات علمنا قطعاً ان لو حدث على
عهد كان قوله على مقتضى الاعلى خلافه
وردة فالعمل بحقه الضرورة الغير
المنقول عنه هو العمل بقوله لا الجود
على المأثور من لفظه وقد عد في العقود
مسائل كثيرة من هذا الجنس ثم احوال
بيان كثير آخر على الاشياء ثم قال في هذا
كلها قد تغيرت احكامها التغير الزمان
اما للضرورة واما للعرف واما لقراحت
الاحوال قال وكل ذلك غير خارج عن
المذهب لان صاحب المذهب لو كان في
هذا الزمان لقال بها ولو حدث هذا التغير
في زمانه لم يتبع على خلافها قال وهذا
الذي جزموا المجتهدين في المذهب واهل
النظر الصحيح من المتأخرين على مخالفة

المصنوع عليه من صاحب المذهب في كتب
ظاهر الرواية بناء على ما كان في منهنه كما مر
تصريحهم بآل الخ

قسم کے بہت سے مسائل گناتے ہیں اور بہت سے مسائل
کے لیے اشباہ کا حوالہ دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان
تمام کے احکام زمانہ کے تغیرات کی وجہ سے بدل گئے ہیں یا
تو ضرورت کی وجہ سے یا عرف کی وجہ سے اور یا احوال کے قرائن کے باعث، اور فرمایا کہ ان میں سے کوئی چیز
مذہب سے خارج نہیں، کیونکہ اگر صاحب مذہب خود اس زمانے میں ہوتے تو یہی قول کرتے، اور اگر یہ تغیرات
کے زمانے میں واقع ہوتا تو وہ اس کے خلاف تصریح نہ کرتے، اسی نے محدثین فی المذہب کو ہر آیت ہی ہے اور
مفسرین صاحب الرائے نے ظاہر مذہب کی کتب سے ثابت شدہ مذہب کی جو مخالفت کی ہے وہ اپنے نکلنے
کے اعتبار سے ہے، جیسے کہ خود انھوں نے اس کی تصریح کی ہے۔

اقول بل ربما يقع نظير ذلك في نص
النسائي عليه الله تعالى عليه وسلم فقد قال
صلى الله تعالى عليه وسلم اذا استأذنت احدكم
امراته الى المسجد فلا يمنعها رواه احمد
والبخاري ومسلم والنسائي وفي لفظ لا تمنعوا
امام الله صاحبنا الله رواه احمد ومسلم
كلهم عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهم
وبالنسائي رواه احمد وابوداود وعن ابى بصير
رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله
تعالى عليه وسلم بزيادة وليخرجن قفلات
وقد امر صلى الله تعالى عليه وسلم باخراج
الحیض وذوات الخد ورویوم العیدین

میں کہتا ہوں اس کے تعلق سے خود شارع
کے تصریح میں موجود ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی عورت
مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو تم اس کو منع
نہ کرو۔ اس کو احمد، بخاری، مسلم اور نسائی نے
روایت کیا ہے، اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں
کہ "تم اللہ کی بیٹیوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو"
اس کو احمد اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ مسند
حضرت ابی عمر سے روایت کرتے ہیں اور دوسری
روایت احمد اور ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ سے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اس میں یہ الفاظ
زیادہ ہیں کہ "نکل جھانگنے والی عورتیں ضرور نکلیں گی"

- ۱/۲۵ سہیل اکیڈمی لاہور
۱/۱۲۰ قدیمی کتب خانہ کراچی
۱/۱۲۳ " "
۱/۴۴ مجتہدی لاہور
- ۱/۲۵ سہیل اکیڈمی لاہور
۱/۱۲۰ قدیمی کتب خانہ کراچی
۱/۱۲۳ " "
۱/۴۴ مجتہدی لاہور

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سائق عورتوں اور
 پر وہ نشیمن عورتوں کو عیدین کے دن نکلنے کا حکم دیا ہے
 تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت میں حاضر ہوں اور عائشہ
 عورتیں نماز پڑھنے کی جگہ سے دور رہیں۔ ایک عورت
 نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کسی عورت
 کے پاس سچا دور نہ ہو تو آپ نے فرمایا اس کو
 اس کی سہیلی اپنی چادر اٹھا دے۔ اس کو بخاری
 مسلم وغیرہ نے ام عطیہ سے روایت کیا ہے، اس کے
 باوجود ائمہ نے جو ان عورتوں کو مطلقاً اور بوڑھیوں
 کو دن میں مسجد میں آنے سے منع کیا ہے، اور پھر
 نہی کو عام کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول
 ضروری پر عمل کرتے ہوئے جوام المؤمنین کے اس
 قول سے مستفاد ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 عورتوں کی وہ حالت دیکھ لیتے جو ہم نے دیکھی ہے تو
 آپ ان کو مسجد میں آنے سے اس طرح روک دیتے
 جیسے بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں، اس کے
 احمد، بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔ تفسیر اور دور
 میں ہے (عورتوں کی جماعت میں آنا مکروہ ہے)
 اگرچہ جمعہ، عید یا وعظ کے لیے ہو (مطلقاً) خواہ بوڑھی
 ہوں، رات میں (مذہب) مفتی پر کے مطابق،
 کیونکہ زمانہ خراب ہو چکا ہے۔ اور کمال نے بحث

فی شہدت جماعۃ المساکین و دعوتهم و
 وتعتزل فی حصص المصلی قالت امرأتان
 رسول اللہ احدنا لیس لہا جلباب قال صلی
 اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لتلبسہا صاحبۃا من
 جلبابہا رواہ البخاری ومسلم وأخرون عن
 ام عطیہ رضی اللہ عنہا ومع ذلك نہیں
 الاثمة الثواب مطلقاً والجماعۃ انہا راتہ
 عموم المؤمنین عملاً بقولہ صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم الضروری المستفاد من قول
 امر المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
 فوامت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 من آی من النساء ما رأیت لهن من المسجد
 کما منعت بنو اسرائیل نسائہن رواہ احمد
 والبخاری ومسلم قال فی التنبیہ والدر (یکرہ
 حضور من الجماعۃ) ولولجمعة وحید و
 وعظ (مطلقاً) ولا تجوز الیلا (علی المذہب)
 المفتی یہ لغساد الزمان واستثنی الکمال
 یحی الثجا من المتفانیۃ احوالہ بالمد
 مذہب المتأخرین و لمارد علیہ البحر
 بان هذا الفتوی مغالطۃ لمد مذہب الامام
 وصاحبہ جمیعاً فانہما ابا حالہما شذ

المعذور مطلقاً والامام في غير الظاهر العصر
والجمعة فالافشاء بمنع الكل في الكل معاً
للكل فالمعتمد من ذهب الامام ما به بمعناه
اجاب عنه في النهي قائل فيه نظر بل هو
ما خود من قول الامام وذلك انه انما
منعها لقيام المحاصل وهو قسط الشهوة بناء
على ان الفسقة لا ينتشرون في المغرب
لانهم يا لطعام مشغولون وفي الغجر و
العشاء ناشون فاذا فرغ من انتشارهم
في هذه الاوقات لغلبة فسقهم كما في
شر ما نابل تحريمهم اياها كان النعم فيها
اظهر من الظاهر اذ قال الشيخ اسمعيل
وهو كلام حسن الى الغاية اهـ

کرتے ہوئے بڑھریوں کا استثناء کیا ہے
زیادہ بڑھری ہوں اہ اور مذہب سے مراد متافریق
کا مذہب ہے اور حیب اس پر بھرنے روکی کہ یہ
قوی مذہب امام اور مذہب صاحبین سب کے
خلاف ہے کیونکہ صاحبین نے بڑھریوں کو مطلقاً اجازت
دی ہے، اور امام اعظم نے ظہر و عصر و جمعہ کے علاوہ
نمازوں میں اجازت دی ہے، تو نماز میں ہر عورت
کو منع کرنا ان تمام حضرات کی مخالفت ہے، تو قابل
اعتقاد مذہب امام ہے اور یہ روایت بالمعنی ہے
اس کا جواب نہیں یہ ہے کہ اس میں نظر ہے،
بلکہ تمام نمازوں میں منع امام صاحب کے قول سے اخذ
ہے وہ یوں کہ ظہر و عصر میں روکنے کا سبب فاسق
لوگوں کا غلبہ شہوت ہے جبکہ مغرب میں کھانے میں
مشغول اور عشاء اور فجر میں سونے میں مصروف ہونے کی وجہ سے باہر نہیں گھومتے اور جب فرض کیا جائے کہ
غلبہ فسق کی وجہ سے باقی اوقات میں بھی گھومتے ہوں جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ان اوقات کو وہ اپنے
فسق کے لیے موزوں سمجھتے ہیں اہ شیخ اسمعیل نے اس کلام کو بہت عمدہ و حسن قرار دیا احش۔ ت

السادة سنة حاصل آخر على
العدول عن قول الامام مختص باصحاب
النظر وهو ضعف دليله
اقول اى في نظره وذلك لانهم
ما مودون بالتابع ما يظهر لهم قال تعالى
فاعتبروا يا اولي الابصار ولا تكلفوا

چھٹا مقدمہ ایک چیز امام کے عدول پر اور
براخیفہ کرنے والی ہے وہ اصحاب نظر کے ساتھ
مخصوص ہے اور وہ اس کی دلیل کا ضعف ہے۔
میں کہتا ہوں ان کی نظر میں ضعف ہے
کیونکہ اللہ کو صرف اسی چیز کی پرہیز کا حکم دیا گیا ہے
جو ان پر ظاہر ہو، فرمایا اللہ ہے "تولے صاحبانِ بصیر

زیادہ قوی دلیل کی پیروی کرتے، اسی طرح محقق ابن ہمام نے بعض مشایخ کے اس فتویٰ پر اعتراض کیا ہے ہر انہوں نے صاحبین کے قول پر رد کیا اور فرمایا کہ امام کے قول سے صرف اسی وقت عدول کیا جائے گا جب ان کی دلیل کا ضعف ظاہر ہو۔
 اقوال ہذا غیر معقول و لا مقبول و کیفیت

دلیل کا ضعف و دلیلہ فی الواقعہ لضعفہ فی نظر بعض مقلدینہ و ہؤلاء اجلة اثمة الاجتهاد المطلق مالک والشافعی واحمد ونظر ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یطبقون کثیرا علی خلا الاचार و ہوا جماع منہم علی ضعف دلیلہ ثم لا ینظر بہدین اضعفہ ولا ان مذہب ہؤلاء مذہبہ فکیف یمن دولہم من لدینہم و یقیم لہم عاقلون فی نظرہم بقولہ العام فخذوا بل ما جردون ولا یتبدل بذلک المذہب الا تری انہ تعدد ید الرضا عن شیعہ و دلیلہ ضعیف بل ساقط عند اکثر المرحومین ولا یجوز لاحد ان یقول الاقتصار علی عامین مذہب اکاماد و تعریع حلیۃ الاب الا بن رضا علیہ نظر فیہ الامام الباقی من تبة الاجتہاد المحقق علی الاطلاق و منہم ان لا دلیل علیہ بل المدلیل قاض بہلہما و لہ امر من اجاب عنہ و کد تبعہ علیہ من فہل یقال انہ تحلیلہما مذہب الامام کلا بل بحث من من ابن النہما صولیس فیما ذکر عن ابن النہما انما الی ما ادعی من محبة جعلہ مذہب الامام انما فیہ جواز العدول لہما اذا استضعفوا دلیلہ و ابن ہذا من ذلک

میں کہتا ہوں یہ نہ معقول ہے نہ مقبول ہے، دلیل کا ضعف فی الواقعہ کیسے ظاہر ہو سکتا ہے، اگرچہ ان کے بعض مقلدین کی نگاہ میں ضعیف ہو اور یہ اجتہاد مطلق کے ائمہ میں مثلاً امام مالک، شافعی اور احمد وغیرہم، یہ حضرات عام طور پر امام صاحب کے خلاف اجماع کر لیتے ہیں، یہ اجماع دراصل امام صاحب کی ضعیف دلیل کے خلاف اجماع ہے، مگر اس سے اس کا ضعف ظاہر نہیں ہوتا ہے اور نہ یہ کہ ان حضرات کا مذہب امام کا مذہب ہے، تو جو لوگ ان مجتہد حضرات کے رتبہ کو نہیں پہنچے وہ کسی شمار میں ہوں گے، بالآخر ضعیف کے عام قول پر عمل پیرا ہیں، اس لیے معذور بلکہ عاجز ہیں، اور اس سے مذہب میں تبدیلی لازم نہیں آتی، مثلاً یہ کہ بدست رضاعت کی تحدید تیس مہینوں سے اس کی دلیل ضعیف ہے بلکہ اکثر مرجعین کے نزدیک تو ساقط ہے، لیکن پھر بھی یہ کسی کے لیے روا نہیں کہ دو سال پر اکتفا کرنا مذہب امام ہے اور رضاعتی یا کتا اور بیٹے کی تحلیلہ کی حرمت پر محقق علی الاطلاق نے کلام کیا اور فرمایا اس حرمت پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کی حرمت کے دلائل موجود ہیں، اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کا جواب دیا ہو، اور اس پر 'ش' نے ان کی متابعت کی، تو کیا اب یہ کہا جائے گا کہ ان دونوں کا حلال ہونا مذہب امام ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ صرف اتنا ہے کہ یہ ابن ہمام کی بحث ہے، اور جو ذکر کیا گیا ہے

یظہر ضعف دلیلہ فی الواقعہ لضعفہ فی نظر بعض مقلدینہ و ہؤلاء اجلة اثمة الاجتهاد المطلق مالک والشافعی واحمد ونظر ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یطبقون کثیرا علی خلا الاचार و ہوا جماع منہم علی ضعف دلیلہ ثم لا ینظر بہدین اضعفہ ولا ان مذہب ہؤلاء مذہبہ فکیف یمن دولہم من لدینہم و یقیم لہم عاقلون فی نظرہم بقولہ العام فخذوا بل ما جردون ولا یتبدل بذلک المذہب الا تری انہ تعدد ید الرضا عن شیعہ و دلیلہ ضعیف بل ساقط عند اکثر المرحومین ولا یجوز لاحد ان یقول الاقتصار علی عامین مذہب اکاماد و تعریع حلیۃ الاب الا بن رضا علیہ نظر فیہ الامام الباقی من تبة الاجتہاد المحقق علی الاطلاق و منہم ان لا دلیل علیہ بل المدلیل قاض بہلہما و لہ امر من اجاب عنہ و کد تبعہ علیہ من فہل یقال انہ تحلیلہما مذہب الامام کلا بل بحث من من ابن النہما صولیس فیما ذکر عن ابن النہما انما الی ما ادعی من محبة جعلہ مذہب الامام انما فیہ جواز العدول لہما اذا استضعفوا دلیلہ و ابن ہذا من ذلک

نعم فی الوجوه السابعة تصح النسبة إلى المذهب
 لاحاطة العلم بانه لو وقع في ذهنه لقال به
 كما قال في التنوير لمسألة تهي النساء مطلقا
 عند حضور المساجد على المذهب و هذا
 نكتة غفل عنها المحقق ش ففسر المذهب
 مذهب التمسأخرين هذا و اما نحن فلو توصل
 بالاعتبار كادى الا بصار بل بالسؤال والعمل
 بما يقولون الا ما يغير باحثين عند
 دليل سوى الاحكام فانه كان العدول للوجوه
 السابقة اشتراك فيه الغواص والعوام اذ لا
 عدول حقيقة بل عمل يقول الامام وان كان
 لدعوى ضعف الدليل انحصر بمن يعرفه و
 لذا قال في البهقود وقع للمحقق ابن المصام
 في مواضع الرد على المشايخ في الافتاء بقوله
 بانه لا يعدل عن قوله الا لضعف دليله لكن
 هو (ای الحق) اهل للنظر في الدليل ومن
 ليس باهل للنظر فيه فضليه الافتاء بقول
 الامام اه

اس کا مقصود یہ نہیں کہ ان کا اپنے دعویٰ کو مذہب امام
 قرار دینا صحیح ہے اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے
 کہ کہیں ان کو اگر امام کی دلیل کمزور معلوم ہو تو امام کے قول
 سے ان کا عدول جائز ہے اور اس کو اس سے کیا نسبت
 ہوں وجہ سابقہ میں مذہب کی طرف نسبت کرنا صحیح ہے
 اس لیے کہ اگر ان کے زمانہ میں یہ صورت حال ہوتی تو
 وہ بھی یہی قول کرتے، جیسا کہ تنویر میں مورتوں کے مسجد
 میں آنے کی ممانعت کے بارے میں فرمایا ہے، اور یہ
 نکتہ ہے جس سے محقق ش غافل رہے، اور مشافری کے
 مذہب سے مذہب کی تفسیر کی، لیکن ہم لوگوں کو محققین
 کی طرح قیاس کا حکم نہیں دیا گیا ہے بلکہ صرف پوچھنے کا
 اور امام کے قول پر عمل کرنے کا حکم ہے اور دلیل تلاش
 کرنے کا مکلف ہیں نہیں بتایا گیا ہے تو اگر وجہ
 سابقہ کی وجہ عدول ہو تو عام و خاص کے لیے یکساں طور
 پر جائز ہے کیونکہ یہ حقیقت عدول نہیں ہے بلکہ
 امام کے قول پر ہی عمل ہے، اگرچہ ضعیف دلیل کی وجہ سے
 عدول خواص کے ساتھ نقص ہے اس لیے تجرمیں فرمایا
 کہ محقق ابن ہمام نے کئی مقامات پر اصحاب فتویٰ مشرک
 کار دیکھا ہے اور کہا ہے کہ ان حضرات کے صاحبی کے قول پر فتویٰ دینا درست نہیں، کیونکہ امام کے قول سے صرف دلیل
 کے ضعف کی وجہ سے عدول کیا جاسکتا ہے لیکن وہ (یعنی محقق) دلیل میں غور و فکر کر سکتے ہیں، اور جو شخص اس مرتبہ پر
 فائز نہ ہو اس کو امام کے قول پر ہی فتویٰ دینا چاہئے۔

السابعة اذا اختلف التصحيح لعدم
 قول الامام الا قدم في مرد المحتار قبل ما

ساقوا من مقدمه جب تصحیح میں اختلاف ہو جائے
 تو قول امام کو ترجیح دینی چاہئے، و اما ہماری جہاں

یہ بحث ہے کہ کوئی سی چیز بیع میں تبعاً داخل ہوتی ہے
اس سے قبل ہے کہ جب تصبیح میں اختلاف ہو تو قول امام
اختیار کیا جائے گا کہ وہ صاحب مذہب ہیں اور
وہ میں ہے کہ جو کچھ وقت میں ہے کہ جب کسی مسئلہ
میں دو اقوال صحیحہ ہوں تو فقہاء افتاء کسی بھی ایک
پر جازم ہے اور علامہ رشیدی نے فرمایا تغیر نہیں اگر ایک
امام کا قول ہو اور دوسرا کسی اور کا ہو، اس لیے کہ جب
وہ دونوں تصبیحات میں تعارض ہو تو دونوں ماقط ہو گئیں
اور اصل باقی رہ گئی اور وہ قول امام کا مقدم کرنا ہے، بلکہ
فتاویٰ تیسرے کے بابہ الشہادات میں ہے کہ ہمارے
نزدیک طے شدہ امر یہ ہے کہ امام ہی کے قول پر فتویٰ
دیا جائے گا اور ان کے قول سے عدول نہ کیا جائے گا
نہ تو صاحبی کا قول اختیار کیا جائے گا نہ کسی اور کا، ہاں
اگر ضرورت ہو تو عدول کر سکتے ہیں، مثلاً مزاد کا مسئلہ
اگرچہ مشایخ نے اس کی تصریح کی ہو کہ تیسری صاحبین کے
قول پر ہے، کیونکہ امام صاحب، صاحب مذہب اور
امام مقدم ہیں اور اسی کی مثل جو میں ہے، اس میں ہے
کہ امام کے قول پر فتویٰ حلال ہے بلکہ واجب ہے خواہ
یہ نہ معلوم ہو کہ الہ کی دلیل کیا ہے اور اگر یہ معلوم
ہونے کے بعد وہ تمام بحث ختم ہو گئی جو جو کچھ تردید میں

یہ دخل فی البیع تبعاً اذا اختلف التصحیح
اخذ بما هو قول الامام لانه صاحب المذہب
او وقال فی الدرر فی وقت البیع وخیرہ حتی کان
فی المسائل قولان مصححان جازا القضاء
والافتاء باحدھما او فعالا العلامة ش
لاتخیر لولا کان احدھما قول الامام والاخر
قول غیرہ لانه لما تعارض التصحیح حان
تساطا فرجنا الی الاصل وهو تعدیه قول
الامام بل فی شہادات القضاء والخیرہ
السفر عندنا انه لا یفتی ولا یعمل الا بقول
الامام الا عظم ولا یعدل عنہ الی قولہما او
قول احدھما او غیرھما الا لضرورة کما لست
المن ارہق وان صرح المنشایہ بان الفتوی
على قولہما لانہ صاحب المذہب والامام
المقدم او ومثله فی البحر وفيه یعدل الافتاء
بقول الامام بل یجب وان لم یعلم من این قال
او اذا عرفت هذا اوضح ان کلام البحر ولاح
کل ما رد بہ علیہ وان شئت التفصیل المزید
فائق المسح وانت شہید قولی ش دحضہ اللہ
تعالی لا یخفی علیہ ما فی هذا الکلام من عدم

۳۶/۴

مصحف البانی مصر

سہروردی مختار قبیل فصل فیما یدخل فی البیع تبعاً

۱۴/۱

عقبانی دہلی

سہروردی مختار رسم المفق

۵۳/۱

مصحف البانی مصر

سہروردی مختار

۵۳/۱

" " "

سہروردی مختار رسم المفق

الانظام اقول بل هو مستحق النظام اخذ
بعضه ببعض بعض كما ستري قول العلامة
الغير قوله مضاف لقول الامام اقول تعرف
بالاربعة ان قول الامام في الفتوى الحقيقية
فيختص باهل النظر لا محمل له غيره والاكابر
تحريرا في الفتوى العرفية مع حملها بالاجماع و
في قضاء حنيفة الخائف عن الفتوى الظهيرية
روى عن ابى حنيفة رضى الله تعالى عنه انه
قال لا يحل لاحد ان يفتي بقولنا ما لم يعلم من
ابن قلنا وان لم يكن من اهل الاجتهاد لا يحل
له ان يفتي الا بطريق الحكاية الله وقول
المبهور في الفتوى العرفية لا محمل له سواه لقوله
اما في زماننا فيمكنه بالاحفظ وقوله وان لم
تعلم وقوله يجب علينا الافاء بقول الامام
وقوله اما نحن فلنا الافاء فاین التضاد ولم
يرد امور واد اعدا قول هو صريح في عدم
جواز الافاء لغير اهل الاجتهاد فكيف يستدل
به على وجوبه اقول نعم صريح في عدم جواز
الحقيقي ونشوء الحرمة والجواز معا عن شيء
واحد فرغنا عنه في الثالث قوله فنقول
ما يصدر من غير اهل ليس بافتاء حقيقة
اقول فيه كان الجواب عن التضاد هو المنظم
اليه قوله وانما هو حكاية عن المجتهد

کی گئی ہے، اگر مزید تفصیل درکار ہے تو بطور سنیہ، ش کا
قول کہ جو یہ فطری اس کلام میں پائی جاتی ہے وہ آپ پر فطری نہیں بل
یہ کلام قطعی طور پر منظم ہے۔ علامہ خیر کا قول کہ ان کا قول
امام کے قول کی ضد ہے۔ میں کہتا ہوں جو فطری شق سے
آپ کو معلوم ہو گا کہ امام کا قول فطری حقیقی میں ہے
تو یہ اہل نظر کے ساتھ متفق ہو گا، اس کا محمل اس کے
سوا کوئی اور نہیں، ورنہ عرفی فتویٰ کو حرام قرار دینے
کے مترادف ہو گا، حالانکہ فتویٰ دینا بالاجماع جائز ہے۔
منقولہ الخانی کے باب القضاء میں فتاویٰ ظہیریہ سے
منقول ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ کسی کو
یہ حلال نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتویٰ دے تا وقتیکہ
اس کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کی دلیل کیا ہے، اور اگر
وہ اہل اجتہاد سے نہ ہو وہ صرف بطریق حکایت فتاویٰ
دے سکتا ہے۔ اور جو کہ
قول عرفی فتویٰ میں اس کا محمل اس کے سوا کچھ اور نہیں،
کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں مفتی کو صرف یہ
کافی ہے کہ وہ اقوال یا ذکر سے، اور ان کا قول "اگرچہ ہم
نہ جانیں" اور ان کا قول ہم پر لازم ہے کہ ہم امام کے قول پر فتویٰ
اور ان کا قول کہ ہمارے فتویٰ میں جتنا جائز ہے تو تضاد کہاں
اور وہ فروع کا مسئلہ ایک نہیں ہے، اس کا قول
"وہ اس امر میں صریح ہے کہ جہتہ کے علاوہ کسی اور کو
فتویٰ دینا جائز نہیں، تو اس کے وجوب پر کس طرح
استدلال کیا جاسکتا ہے، میں کہتا ہوں ہاں یہ جہد جواز

اقول لا وانظر الادنى قوله تجوز حكاية
قول غير الامام اقول لا يجوز في الحكاية
ولم يزل خارجا عن المذهب انما الكلام في
التقليد والمجتهد المطلق اعني به ممن دون
علم لا بتجيزون الاضفاء بقول الاثمة الثلاثة
بل ومن سوى الاربعة رضى الله تعالى عنهم
فان اجزتم فقيم التمدد وطلب تلك المشاجرات
بل منقط المبحث واما وانهدم النزاع بنفس
النزاع كما سيأتي بيانه ان شاء الله تعالى
قوليه فكيف يجب علينا الاضفاء بقول الامام
اقول لا ناقلا لانه لا من سواة وقد اعترف
به السيد الناقل في عدة مواضع منها صدر
رد المحتار قبيل رسم المفتي انا التزاما لتقليد
مذهبه دون مذهب غيره ولذا نقول ان
مذهبا حنفيا لا يوسفي ونحوه اه اى الشيا
نسبة الى ابى يوسف او محمد رضى الله تعالى
عنهم وقال في شرح العقود الحنفية انما قلد
ابا حنيفة ولذا نسب اليه دون غيره اه
قوله وانما نحكى فتواهم لانغير

فتوى حنفی میں صریح ہے، اور یہ کہ ایک ہی چیز سے حرمت و
جواز پیدا ہوتا ہے، ہم اس سے تیسرے مقدمہ میں غبار
ہر پکے ہیں، ان کا قول ہم کہتے ہیں جو نا اہل سے صادر
ہوتا ہے وہ حقیقتہً فتویٰ نہیں ہے، میں کہتا ہوں کہ
آپ توجہ کرتے تو اس میں تضاد کا جواب موجود ہے،
اس کا قول وہ تو صرف مجتہد کے قول کی حکایت ہے،
میں کہتا ہوں نہیں، اور پہلے مقدمہ کو دیکھئے، اس کا قول
"غیر امام کے قول کی حکایت جائز ہے" میں کہتا ہوں
حکایت کی کوئی ممانعت نہیں، خواہ مذہب سے غارت
قول ہی کیوں نہ ہو، گھنٹہ گو تو تقلید میں ہے اور مجتہد
مطلق اس کا زیادہ حقدار ہے، تو تم ائمہ ثلاثہ کے اقوال پر
فتویٰ دینے کی اجازت کیوں نہیں دیتے، بلکہ چاروں
ائمہ کے علاوہ دوسرے ائمہ کے قول پر فتویٰ دینے کو کیوں
جائز نہیں سمجھتے، اور اگر اس کی اجازت ہے تو حضور
مذہب اختیار کرنے کے کیا معنی ہیں! اور یہ مشاجرات
کیا ہیں، اور سارا نزاع ہی ختم ہو جائے گا اس کا بیان
ان شاء اللہ عنقریب آئے گا، ترانہ کا قول "تو ہم پر
امام کے قول پر فتویٰ دینا کیوں واجب ہے؟" میں کہتا
ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ان کی تقلید کی ہے نہ کسی
اور کی، اور سید ناقل نے اس کا متعدد مقامات پر اعتراف کیا ہے اور رد المحتار میں رسم المفتی سے کچھ قبل ہے کہ ہم نے مذہب

امام کی تقلید کی ہے نہ کسی اور کی، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب حنفی ہے نہ کہ یوسفی وغیرہ اہ یعنی شیبانی،
یہ نسبت ابویوسف کی طرف ہے یا محمد کی طرف ہے اور شرح عقود میں ہے کہ حنفی نے ابو حنیفہ کی تقلید کی ہے اس لیے

لے رد المحتار قبیل رسم المفتی ابوابی مصر ۵۰/۱

لے عقود رسم المفتی من مسائل ہادیہ سنیل اکیڈمی لاہور ۲۳/۱

ان کی طرف منسوب ہے نہ کہ غیر کی طرف، ان کا قول "ہم ان کے فتاویٰ نقل کرتے ہیں نہ کہ ان کے غیر کے"۔

اقول سبحان اللہ جل انما نقلنا احادیثا
لا ضیق لہ لیس افتاؤنا عند کم الاحکایۃ قول
غیرنا فمن ذالذی حرم علینا حکایۃ قولی امامنا
واجب حکایۃ قول غیوہ من اهل منہ ہبنا
فانکنا نواہر علیہم بالکسر فلیسوا مرجحین علی
الامام بالفتح **قولی** فی الشایخ اطلعوا علی
دلیل الاحکام و عرفوا من این قال۔

اقول من این عرفتم ہذا ادبائی دلیل
اطلعت علیہ انما المنقول عن الامام المسائل
دون الدلائل واجتہد الاصحاب فاستخرجوا
لہا دلائل کل حسب مبلغ علمہ و مستوی
فہمہ و لم یبد کو اشادہ ولا معشایہ ولو بنا
لہ دلیل حقوا غبار فان قلتم فقولوا اطلعوا علی
دلیل قول الامام ولا تقولوا علی دلیل الاحکام
و رحمہم اللہ سیدی طہ اذا قال فی قضاء حوائج
الدرقد یظہر قوۃ لہ (ای لا اهل النظر فی
قول خلاف قول الامام) بحسب ادراکہ
ویکون الواقم بخلافہ او بحسب دلیل ویکون
لصاحب المذہب دلیل آخر لم یظہر حلیہ
اھ قولہ ولا یظن بہم انہم عدلوا عن
قولہ لجهلہم بدلیلہ۔

ان کے قول سے اس لیے عدول کیا کہ وہ ان کی دلیل پر مطلع نہ ہوئے۔ (ت)

میں کہتا ہوں سبحان اللہ! بلکہ ہم تو صرف اپنے
امام کی تقلید کرتے ہیں، پھر ہمارا فتویٰ کہا ہے نزدیک
ہم یا نہ غیر کے قول کی حکایت، تو ہمیں ہمارا امام کے قول کی حکایت
کو حرم حرام کہہ سکتا ہے اور امام کے غیر کے قول کی حکایت کو ہم پر
کوئی اجب کہہ سکتا ہے تو اگر وہ بالکسر مرزج ہے تو بالفتح امام پر
مرزج نہیں ہیں قول میں مشارح امام کی دلیل پر مطلع ہوئے اور
اس کو چھانا، یہ بات انہیں کہانی سے معلوم ہوئی۔

میں کہتا ہوں تمہیں یہ کہانی سے معلوم ہو اور
تم کس دلیل سے اس پر مطلع ہوئے، امام سے تو مسائل
منقول ہیں نہ کہ دلائل پھر ان کے اصحاب نے اجتہاد کیا
اور حسب استطاعت دلائل حلیہ کئے مگر وہ امام کے
علم کے عشر عشر گر دیا، کو بھی نہ پہنچ سکے، ہاں یہ کہا
جا سکتا ہے کہ قول امام کی دلیل پر وہ مطلع ہوئے،
اور یہ نہ کہ وہ امام کے دلائل پر مطلع ہوئے۔
سیدی طہ نے ذکر کے حواشی پر فرمایا: کبھی اس کو
قوت ظاہر ہوتی ہے (یعنی اہل نظر کے اس قول کو جو
امام کے خلاف ہے) اس کے ادراک کے مطابق اور
واحد اس کے خلاف ہوتا ہے یا دلیل کے اعتبار سے
اور صاحب مذہب کی کوئی اور دلیل ہو جس پر اس کو
اطلاع نہ ہوئی ہو اھ، اس کا قول "ان کے ہاتھ
میں یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے

اقول اولاً افطن به انه لم يدرك

ما ادر كوا فاعتمد شيئاً اسقطوا لضعفه في الاضاف
اي الظن ان بعد وثاقياً ليس فيه امر امرهم
ان لم يبلغوا مبلغاً اما مهم وقد ثبت ذلك عن
اعظم المجتهدين في المذهب الامام الشافعي
فضلاً عن غيره في الخيرات الحسان الامام
ابن حجر المكي الشافعي روى الخطيب عن ابني
ماس ايت احداً علم بتفسير الحديث وهو اعظم
الثبت المتفق فيه من الفقه من ابني حنيفة وقال
ايضاً ما خالفته في شئ قط فخرته الامام ايت
من حبه الذي ذهب اليه انتهى في الاخرى و
كنت ربما ملت الى الحديث فكان هو البصر
بالحديث الصحيح من وقال كان اذا سمع
على قول دلت على مشايخ الكوفة هل احد في
تقوية قوله حديثاً او اثر اخر بما وجدت الحديثين
والثلاثة فائت به بها فمنها ما يقول فيه هذا
غير صحيح او غير معروف فاقول له و ما
عليك بذلك هم الذين وافق قولك فيقول اننا
عالم بعلم اهل الكوفة وكان عندنا الاخصس فحمل
من مسائل فقال لابي حنيفة ما تقول فيها
فاجابه قال من اين لك هذا قال من احاديثك
التي رويتها عنك وسرد له عدة احاديث بطرقها
فقال الا عشت حبلك ما حدثتك به في مائة يوم
تحدثني به في ساعة واحدة ما علمت انك تعلم
بهذا الا احاديث يا معشر الفقهاء انتم الاطباء

میں کتا ہوں اول کیا ہم ان کے بارے میں
یہ گمان کریں کہ جو ان مشایخ نے معلوم کیا کہ وہ امام کو معلوم
نہ ہو سکا اور جس پر امام نے اعتماد کیا اس کو انہوں نے
مساقہ کر دیا کیونکہ وہ ضعیف تھا، تو خدا انصاف
کچھ یہ کیسا گمان ہے!

دوم اس میں ان کی لڑپن نہیں بگڑا چنے امام
کے مقام تک کیوں نہ پہنچے، یہ بات عظیم ترین جہد امام شافعی
سے ثابت ہے پھر جانتیکہ دوسرے حضرات، ابی جریر کی
شافعی نے "الخيرات الحسان" میں کہا غلیب نے
ابو الحسن سے رولت کیا کہ میں نے حدیث کی تفسیر اور
اس کے فقہی نکات میں ابو حنیفہ سے بڑھ کر کسی کو عالم نہیں
پایا اور میں نے ان کی مخالفت جس چیز میں بھی کی ان کے
مذہب کو اغوی نجات کا باعث پایا اور بسا اوقات میں نے
حدیث کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ حدیث میں ان کو بھر
سے زیادہ بصیرت حاصل تھی اور جب وہ کسی معاملہ میں سخت
ہوجاتے تو میں مشایخ کو قرعے پاس جانا کہ ان کی تائید میں
کوئی حدیث یا اثر مل جائے تو بسا اوقات دود و یا تین تین
احادیث مل جاتی تھیں، مگر میں ان کے پاس آجاتا
تھا، بعض کے بارے میں وہ فرماتے کہ یہ غیر صحیح یا
غیر معروف ہے، میں کتا تھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟
اور یہ احادیث تو آپ کے مذہب کی تقویت کا باعث
ہیں تو وہ فرماتے تھے میں تمام اہل کوفہ کے علم کا عالم ہوں
آپ اعلیٰ کے پاس تھے، ان سے کچھ مسائل دریافت
کئے گئے، انہوں نے ابو حنیفہ سے دریافت کیا کہ آپ نے
ان مسائل کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے ان

وَنَحْنُ أَصْيَابُ دَلَّةٍ وَأَنْتَ إِيمَانُ الرَّجُلِ اخذت
بِكَلَامِ الطَّرَفَيْنِ أَه

جو بات دے کر انہوں نے دریافت کیا کہ یہ جوابات
آپ نے کہاں سے حاصل کئے۔ آپ نے فرمایا کہ اُن
احادیث سے جو میں نے آپ سے روایت کی ہیں، پھر آپ نے کئی احادیث مع اسانید ان کو سنائیں، اشمس
نے فرمایا بس کیجئے جو احادیث میں سے آپ کو ایک سو دونوں میں سنائی ہیں وہ آپ مجھ کو آپ واحد میں سنانا چاہتے
ہیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کریں گے، اسے فقہاء تم طعیب ہو ہم دو افروشن ہیں، اور آپ نے
دو دونوں منصب حاصل کر لیے ہیں۔ ت

اقول و انما قال ما علمت الخ لانه لم
يرق تلك الاحاديث موضعاً لتلك الاحكام التي
استنبطها منها الا امام فقال ما علمت انك
تأخذ هذا من هذا وقد قال الامام
الاجل سفيان الثوري لا ما مننا رضى الله تعالى
عنهما انه ليكشفت لك من العلم من شئ صعدنا
عنه غافلون وقاله ايضا ان الذي يتخلف
ابا حنيفة يحتاج الى ان يكون اعلى منه قدراً
ادفعه علماء البصير ما يوجد ذلك وقال له ابن
ثيبرمة عجزت النساء ان يذعن مثلك ما عليك
في العلم كلغة وقال ابو سليمان كان ابو حنيفة
رضي الله تعالى عنه جباراً من العجب وانما يرغب
من كلامه من لم يقر عليه وعن علي بن عاصم
قال لو وزن عقل ابي حنيفة بعقل نصف اهل

میں کتنا ہوں اشمس نے جو کہا کہ مجھے معلوم نہ تھا
اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے ذہن میں یہ بات نہ تھی کہ یہ مسئلہ
مجھ ان احادیث سے مستنبط ہو سکتے ہیں، حضرت امام
سفيان ثوري نے فرمایا کہ ابو حنيفة آپ سے معلومات ہم
پہنچاتے ہیں کہ ہم سب کے سب اُن سے غافل ہیں، نیز
فرمایا کہ ابو حنيفة کی مخالفت وہی کر سکتا ہے جو قدر و منزلت
میں اُن سے بلند تر ہو، اور ایسا شخص مٹا مشکل ہے۔
ابن شبرمہ نے فرمایا اے ابو حنيفة! حرم میں تم
جیسے شخص کو پہنچنے سے عاجز ہو جائیں، آپ کے لیے علم
میں کسی قسم کا تکلف نہیں۔
ابو سلیمان نے فرمایا ابو حنيفة عجائب روزگار
میں سے ایک تھے، اُن کے کلام سے وہی شخص اعراض
کرے گا جو اس کو سمجھ نہ سکے۔
علی بن عاصم سے منقول ہے کہ اگر رشتہ زمین کے

ص ۱۶۰	طبع استنبول ترکیہ	فصل فی سند حدیث	لہ الخیرات الحسان
ص ۷۲	" "	فصل آئمہ نے آپ کی بر تعریفیں کیں	" "
ص ۱۱۱	" "	فصل ۶۲ و ۶۳	" "
ص ۷۹	" "	فصل ۱۳	" "

مثلاً **اقول** لانہم لم یظہر لہم ما ظہر للامام
وہم اهل النظر فلم یسعہم الا اتباع ما عن
لہم وذلك قول الامام لا یصل لاحد ان
یفق الخ ولو ظہر لہم ما ظہر لہ لا توالمیہ
مذہب قولہ فعلیما حکایۃ ما یقولونہ
اقول هذا علی من ترک تقلیدہ الی تقلیدہم
اعا من قلندہ فعلیہ حکایۃ ما قالہ والاخذ
بہ **قولہ** لانہم ہم اتباع المذہب **اقول**
فالمتبع الحق بالاتباع من اتباع قولہ نصیر انفسہم
لتصیریہ **اقول** علی الرأس والعین وانما
الکلام فی تفسیرہ۔

پر منکشف ہوئے ان پر بھی منکشف ہو جاتے قرعہ بلاشبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ان کا قول "قوم ہم پر لازم ہے
کہ ہم ان کے اقوال کی حکایت کریں۔" میں کہتا ہوں یہ اس شخص پر ہے جو ابراہیمؑ کی تقلید چھوڑ کر ان کی تقلید کرے۔
لیکن جو ابراہیمؑ کی تقلید کرے اس پر لازم ہے کہ وہ ان کے اقوال ہی کی تقلید کرے اور ان کو نقل کرے۔ ان کا قول
"اس لیے کہ وہ مذہب کے پیروکار نہیں" میں کہتا ہوں کہ قبوح پیروی کے جانے کے زیادہ لائق ہے نہ کہ تابع۔ ان کا
قول "ان لوگوں نے خود کو ان کے مذہب کی تقریر کے لیے وقت کر دیا ہے۔" میں کہتا ہوں یہ اچھی بات ہے سرانگھول
پر گفتگو ابراہیمؑ کے قول کو بدلنے میں ہے۔ (مست)

قولہ من العلامة قاسم کا مواضع
فی حیاتہم **اقول** اولاً سرحدک اللہ ارایت
الکائن الامام حیا فی الدنیا وھو کلا احیاء و
افق وافتوا یا کنت تعدن وثائیا انما کلام
العلامة فیما فیہ الرجوع الی فتویٰ المشایخ
حیث لا روایۃ عن الامام او اختلفت الروایۃ
عنه او وجد شئ من الھوا مل المست
المذکورۃ فی الخاصۃ فانہ عین تقلید

کہ علوم انتہائی دقیق ہیں ان کو صرف بلند مرتبہ اہل کثرت
ادلیا ہی سمجھ سکتے ہیں۔

ان کا قول "انھوں نے اپنی کتب و دلائل سے
بمخروی ہیں" میں کہتا ہوں اس سے مراد روایت ہے
نہ کہ روایت اور روایت اور روایت میں بڑا فرق ہے۔
ان کا قول "پھر وہ کہتے ہیں کہ فتویٰ ابراہیمؑ کے
قول پر ہے مثلاً میں کہتا ہوں اس لیے کہ ان پر وہ
ظاہر نہ ہوا جو امام پر ظاہر ہوا حالانکہ وہ اہل نظر تھے
تو وہ اسی کی پیروی کریں گے جو ان پر ظاہر ہوا اور
امام کے قول "کسی کو جائز نہیں کہ وہ فتویٰ دے" ان
کا مطلب بھی یہی ہے، اور اگر وہ حقائق جو ابراہیمؑ

ان کا قول "علامہ قاسم نے فرمایا جیسے کہ وہ اپنی
زندگی میں فتویٰ دیتے" میں کہتا ہوں اول اگر امام حیا
آج زندہ ہوتے اور یہ مشایخ بھی قرآپ کس کی اقتدار
کرتے ؟

دوم علامہ قاسم کا کلام ان معاملات سے متعلق
ہے جن میں امام سے کوئی روایت نہ ہو اور رجوع
مشایخ کے فتویٰ کی طرف ہو، یا امام کے مختلف روایات
ہوں زیادہ چھ اسباب جن کا شق نمبر پنجم میں ذکر ہوا

الاعلام واثبات علیہ بیئنة عادلة متکرم و
 من نفس العلامة قاسم فهو اعلام بمرادہ قلتم
 فی شرح عقود کہ قال العلامة المحقق الشیخ
 قاسم فی تصحیحہ انہ المجتہدین لم یفقدوا
 حق نظر والی المختلف ورجحوا وصرحوا
 فہدیت مصنفاتہم بترجیح قول ایحیئینہ
 والاخذ بقولہ الا فی مسائل یسیرۃ اختاروا
 الفتوی فیہا علی قولہما وقل احدہما انکاح
 الاخر مع الامام کما اختاروا قول احدہما
 فیما لانص فیہ للامام للمعانی التي اشار الیہا
 القاضی بل اختاروا قولی فرقی متعابرة قول
 الکل لنعوذ لک وترجیحاً لہم وتصحیحاً لہم
 باقیة فعلینا اتباع الراجم والعمل بہ کما
 لوافوا فی حیاتہم اللہ وکلام الامام القاضی
 سیاقی عند سرور النقول بتوفیق اللہ تعالیٰ
 عروج فیہ ان العمل بقولہ رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ وان خالفناہ الا لتعاضل بخلافہ او
 تغیر الحکم بتغیر الزمان فتبین واللہ الحمد
 ان قول العلامة قاسم علینا اتباع ما رجحوا
 انما هو فیما لانص فیہ للامام ویلحق بہ ما
 اشکت فیہ الروایۃ عنہ ادنی احد الحاصل
 المست فاحفظہ حفظاً جیداً فیہ امر تنفع
 الحبيب عن آخرها واللہ الحمد حمد اکثیراً

ان میں سے کوئی پایا جائے، کہ یہی امام کی تعلیم ہے
 میں اس پر واضح دلائل پیش کروں گا، خود علامہ قاسم
 کے کلام سے کہ وہ آپ کی بد نسبت اپنے کلام کی مراد کو
 زیادہ چاہتے و اسے ہیں۔

شرح عقود میں ہے کہ علامہ قاسم نے فرمایا کہ مجتہدین نے
 اقوال مختلفہ میں غور و فکر کیا اور ترجیح و تفسیر کا کام کیا،
 ان کی کتابوں میں اقوال انی حنیفہ کی ترجیح اور اس کے
 اختیار کرنے کے ادلہ موجود ہیں سوائے چند مسائل کے
 کہ ان میں انہوں نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے
 یا کسی ایک کے قول پر فتویٰ دیا ہے اگرچہ دوسرا امام صاحب
 ساتھ ہوا جیسے اگر کسی مسئلہ میں امام صاحب کی تصریح نہ ہو
 تو وہ صاحبین میں سے کسی ایک کے قول کو مختار قرار دیتے ہیں اور
 اس کے وہی اسباب ہیں جن کی طرف قاضی نے اشارہ کیا بلکہ
 سب کے مقابلہ میں زفر کے قول کو ترجیح دیتے ہیں ان کی ترجیحات و
 تصریحات کما کافی ہیں لہذا ہم پر اس کی پوری لازم ہے و اسی پر
 عمل لازم ہے جیسا کہ اپنی زندگی میں فتویٰ دیتے اور قاضی کا کلام اس
 مقام پر آئے گا جہاں ہم فتویٰ کا ذکر کریں گے انہوں نے تصریح کی ہے
 کہ عمل ابوحنیفہ کے قول پر ہی کیا جائے گا اگر حسب

صاحبین ان کی مخالفت میں بھی ہاں اگر اس کے برعکس
 تعامل ہو یا حکم زمانہ کے تغیرات کی وجہ سے بدل
 گیا ہو۔ اس سے واضح ہو گیا کہ علامہ قاسم کا قول
 کہ ہم پر اس چیز کی پیروی لازم ہے جس کی ترجیح
 انہوں نے کی ہے یہ انی معاملات سے متعلق ہے جس میں

امام سے کھس موجود نہ ہو، اور اس میں وہ بھی شامل ہے جس میں امام سے روایات مختلف ہوں، یا چھ اسباب مذکورہ میں سے کوئی ایک ہو، اس کو بھی طرہ یا ذکر ہو، یہ علامہ قاسم کی عبارت ہے جس کو سید نے یہاں ملحقاً نقل کیا ہے، اگر وہ پوری عبارت پر غور کرتے تو معاملہ ان پر پوشیدہ نہ رہتا، اور عام طور پر ایسی چیزیں اختصار کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں وہ بالحد العصرہ۔

سوم بفرض غلط اگر علامہ قاسم کی عبارت کا مطلب وہی ہے جو آپ نے بیان کیا ہے تو ان کے خلاف ان کے شیخ محقق کا یہ قول ہے جو انہوں نے علی الاطلاق رکھا، اور جسے آپ نے نقل کیا ہے اور قبول کیا ہے کہ وہ یا با مشایخ پر رد کر چکے ہیں کہ ان کا صاحبین کے قول پر فتویٰ دینا درست نہیں، امام کے قول سے صرف اسی وقت عدول کیا جائے گا جب امام کی دلیل ضعیف ہو۔

ان کا قول علامہ ابن شبلہ فرماتے ہیں، مگر جب کوئی شیخ اس امر کی تصریح کر دے کہ فتویٰ امام کے علاوہ کسی اور کے قول پر ہے۔ میں کہتا ہوں اول وہ سب یا تو اس شخص کے موافق ہیں یا مخالف اس کے، یا خاموش ہیں۔ تو انہوں نے کسی چیز کو ترجیح نہ دی، یہاں تک کہ تعلیل و جدلی میں بھی نہیں، یا اس کو متن بنانے میں یا اقتصار میں یا تقدیم میں وغیرہ انک من وجہ الاختیار تیسرا واقعہ یہ ہوا اور وہ سر اظہار المذہب ہے، اور امام کے اس قول سے کیسے عدول کیا جائے گا جس کو عام اہل ترجیح نے ترجیح دی، ایک شخص کے فتویٰ سے، دور میں کمزوری کے نہیں ہونے کے سلسلہ میں فرمایا تھا مست واقع ہونے کے وقت کا علم ہونے کے بعد، تو ان کو

طیبا صابر کا یہ اید اوھذا عباسیۃ العلامة قاسم المتقی اور وہا المنسید ہفتا ملقطا مت اولہا و آخرھا لوثا ملھا تما ما لھا کان لیضیق علیہ الاصر و کثیرا ما تعددت امثال الامور لاجل الاقفا و باللہ العصمة و شالمشا علی فرض الغلط لو اراد العلامة قاسم ما تریب و ن لکان محجوباً بقول شیخہ المحقق حیث اطلق الذی لعلقوا و قبلتہ من مرادہ مرایا علی المشایخ افتاء ہم بقولہما قائلانہ لا یعدل عن قولہ الا لضعف دلیلہ۔

اور جسے آپ نے نقل کیا ہے اور قبول کیا ہے کہ وہ یا با مشایخ پر رد کر چکے ہیں کہ ان کا صاحبین کے قول پر فتویٰ دینا درست نہیں، امام کے قول سے صرف اسی وقت عدول کیا جائے گا جب امام کی دلیل ضعیف ہو۔

قولی عن العلامة ابن الشبلہ الا اذا صرح احد من المشایخ بان الفتویٰ بطلی قول غیرہ اقول اولاً ما نزلہم موافقوت لہذا المذہب او مخالفوت لہ او ساکتوت فلم یرجعوا شیئاً حتی فی التعلیل والجدل ولا یوضعون معتاد الاقتصار او التقديم او غیر ذلک من وجوہ الاختیار الثالث لہ یقیمہ الثاني فظاہر المنعہ کیف یعدل عن قول الاعا المرجم من عامۃ اصحاب الترجیح بفتویٰ مرجم واحد قال فی الدر فی تنجس البیڑ قال من وقت العلم فلا یلز مہم شئی قبلہ قول دہ یفتی اھ قال مثب تاملہ

صاحب الجوهر قدس سرہ فی فتاویٰ القابلی قولہما ہو
المختار ائمہ قال ط و انما غیر یقبل لہود العلامة
قاسم لہ لہما الفتہ عامۃ انکتب فقد سرجیم
ذیلہ فی کثیر منها و هو الاحوط بھی ائمہ بیل
قال فی الدر لاخذ بشیئۃ العقد عند الامام
کو ط و محرم تکبہا و قال ان علم الحرمة
حد و علیہ الفتوی خلاصۃ لکن المزمع فی
جیمہ الشروح قول الامام فان الفتوی علیہ
اولی قالہ قاسم فی تصحیحہ لکن فی
الفتہستانی عن المضمرات علی قولہما الفتوی
ائمہ قال شہ استندس الک علی قولہ فی جیمہ
الشروح فان المضمرات من الشروح و فیہ
ان مافی عامۃ الشروح مقدمہ اہ فہمہستانی
جعلت الفتاوی علی قولہما الفتوی ووافقہما
بعض الشروح المعتمد لا و لہ یقبل لان عامۃ
الشروح مرجعت دلیل بقی الاول و هو مسلم
ولا شک ولا یوجد الا فی احدی المسود
المستوم یکون حد ولا الی قولہ لاعتدکما علت

اس سے پہلے کچھ لازم نہ ہوگا، ایک قول یہ ہے کہ اسی
پر فتویٰ ہے احمد شہ نے کہا کہ اس کے قائل صاحب چہ
ہیں اور فتاویٰ سنائی میں صاحبین کے قول کو مختار
کہا ہے اور ط نے کہا کہ "قیل" کے ساتھ تعبیر
کیا تاکہ علامہ قاسم پر رد ہو جائے کیونکہ انہوں نے
عام کتب کی مخالفت کی ہے، ان میں سے بہت سی
کتب میں ان کی دلیل کو رائج قرار دیا ہے اور یہی
احوط ہے اور بلکہ وہ میں ہے کہ مشہر حنفی و بد سے
کوئی حد نہیں امام اعظم کے نزدیک جیسے حرم نکاح کیا پھر اس
وطی کی اور صاحبین نے فرمایا اگر اس کو حرمت کا علم
ہو تو حد لگائی جائے گی، اور اسی پر فتویٰ ہے، خلاصہ،
لیکن تمام شروح میں ترجیح امام کے قول کو دی ہے تو
اسی پر فتویٰ اولی ہے، قاسم نے اپنی قصید میں یہی فرمایا
لیکن فتہستانی میں مضمرات سے نکل کیا ہے کہ فتویٰ
صاحبین کے قول پر ہے احمد شہ نے فرمایا ان کے
قول فی جیمہ الشروح پر استدراک ہے، کیونکہ
مضمرات شروح سے ہے اور اس میں ہے کہ جو عام
شروح میں ہے وہ مقدم ہے اور یہیں سے فتویٰ

عہ اقول لہ ارادہ فیہا لعلہ فی سراجہ الوہاج
واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ زم

۱۶۱ / ۱	مصطفیٰ ابابائی مصر	فصل فی البئر	سکھ رد المحتار
۱۱۹ / ۱	بیروت		سکھ طحاوی علی الدر المختار
۳۱۹ / ۱	مجتہبی دہلی	الوطء الذی یوجب النکاح	سکھ الدر المختار
۱۶۹ / ۳	مصطفیٰ ابابائی مصر		سکھ رد المحتار

میں نے اس کو اس میں نہیں دیکھا ہو سکتا ہے کہ
سراج و ہاج میں یہ ہو و اللہ تعالیٰ اعلم (ت)

و ثانیاً بوجه آخر ایت ان قال الامام
غزالی رحمه الله احد صاحبینہ ولا بدایۃ عند
الآخر خاتمی احد من المشایخ بقول صاحب
فان وافقت الباقین فقد مراد مخالفه فظاهر
و کذا ان خالف بعضهم ووافق بعضهم لظاهر
فی الساجدة اما فی امریه عن الباقین شیء و من
الصورة التي انكرنا وقومها فهل يجب اتباع
تلك الفتوى ام لا هل انشا في این قولکم علیما
اتباع صاحب صحیحہ کیا لو افتوا فی حیاتیہم فان
فتوی الحیاء واجبۃ العمل علی المستفتی و
انکاد الصفۃ واحد الم یخالفه غیرہ و لیسل
التوقف عن قبولها حتی یجتمعوا یدیعثروا
و علی الاول لم یجب العدول عن قبول
الامام الی قول صاحبہ الا لترجع رأی صاحبہ
بانتظام رأی هذا المستفتی الیه او لیس هذا
الافتاء قضاء یرفع الخلاف بل ولا افتاء مفت
لن انما من مستفتی انما حاصلہ ان الذی رأی
الافتاء اسرجع عندی فاذا ترجع رأی
احد الصاحبین بانتظام رأی الآخر اطلب و
اعظم لان کلا منهما علم و اقدام من جمیع
من جاء بعدهما من المرجمین فکل ما
خالف فیہ الا ما صحاحیاء و جب فیہ تزک قولہ
الی قولہما و هو خلاف الاجماع و ثانیاً علی
التسلیم معکم ابن الشلبی والنظر و امن معنا
آخر الكلام قولہ فلیس للمقاضی ان یحکم

ہما جمیع کے قول پر کیا گیا اور بعض معتد شریح لحاس کی
موافقت کی ہے اور اس کو قبول نہیں کیا گیا کیونکہ عام شریح اسکی
دینی کوراجع قرار دیا ہے ، باقی رہا اول سو وہ مسلم
ہے ، بلا شک اور وہ نہیں پایا جاتا ہے مگر چھ میں
ایک صورت میں ، اور اس صورت میں آج کے قول کی
طرف عدول ہو گا مگر ان کے قول سے جیسا کہ آپ نے فرمایا
دوم ایک دوسرے اعتبار سے میں نے دیکھا
کہ امام نے کوئی قول کیا اور ان کے صاحبین میں سے کسی
نے ان کی مخالفت کی اور دوسرے سے کوئی روایت
موجود نہیں ، پھر کسی نے مشایخ میں سے صاحب کے قول
پر فتویٰ دیا تو اگر باقی اس کی موافقت کریں تو اس کا
حکم گزارا اور اگر مخالفت کریں تو ظاہر ہے اسی طرح اگر
بعض مخالفت کریں اور بعض موافقت کریں ، جیسا کہ
ہم نے فرمایا ، اور اگر باقی سے کچھ منقول نہ ہو تو یہ ایک
ایسی صورت ہے جس کا وقوع ہمیں مسلم نہیں ، ایسی
صورت میں اس فتویٰ کی پیروی کی جائے گی یا نہیں ؟
دوسری تقریر پر آپ کے اس قول کی کیا حیثیت ہے
کہ ہمیں اس کی اتباع ضروری ہے جس کی امنوں نے
تسلیم کی ، جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں فتویٰ دیتے تو ہم پر
لازم تھا ، کیونکہ مستفتی پر ان کی زندگی کے فتویٰ پر عمل
ضروری تھا اور اگر مفتی ایک ہو ، اس کا مخالفت کوئی نہ ہو
اس کو اس فتویٰ کے قبول کر لے میں کوئی توقف نہ ہو
یہاں تک کہ سب جمع ہو جائیں یا زیادہ ہو جائیں اور پہلی
صورت میں امام کے قول سے عدول واجب ہو گا مگر اس
کو اس صاحب کی رائے کو مفتی کی رائے کے ساتھ مل کر راجع

بقول غیر ابی حنیفہ فی مسئلۃ لمریر جمع فیہما
قول غیریہ و مرجعوا قیہا دلیل ابی حنیفہ علی
دلیلہ۔

کیا جائے گی کیونکہ یہ افتاء قصاً نہیں ہے جو خلافت کو
ختم کر دے بلکہ نہ کسی مفتی کا فتویٰ اس شخص کے لیے جو مستفتی
بن کر آیا ہو، اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ خلافت اسے

میرے نزدیک زیادہ رائج ہے، پس صاحبیں میں سے کسی ایک کی رائے رائج ہو جائے گی جبکہ اُس کے ساتھ کوئی اعلیٰ
رائے اور شامل ہو جائے کیونکہ دونوں حضرات اپنے بعد و حلوں سے اعلم و اقدم ہیں، تو ہر وہ مسئلہ جس میں امام نے اپنے
صحابیوں سے اختلاف کیا ہو تو اس میں امام صاحب کے قول کو ترک کر کے صاحبین کے قول کو اختیار کرنا واجب ہے اور
وہ خلافت اجماع ہے۔

سوم یہ درست ہے کہ آپ کے ساتھ ابن شلبی ہیں لیکن آپ کلام کے آخر میں اُن حضرات کو دیکھیں جو ہمارے
ساتھ ہیں، اُن کا قول "توقاضی کو یہ حق نہیں کہ جس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے علاوہ کسی اور کے قول کو ترجیح نہ دی گئی ہو
اس میں کسی اور کے قول کے مطابق فیصلہ صادر کرے" اور اسی قول میں جس میں ابو حنیفہ کی دلیل کو دوسروں کے دلائل پر
ترجیح دی گئی ہو۔"

اقول هذا قد خرق ما مرغان عقائد
ان ما لمریر جمع فیہ دلیل الاحام فذللتا حنی و
مثله المطلق العدد و عنہ الی قول غیریہ و ان
لم یذیل ایضا بترجیح فانه بنی الحكم بعدم
العدد و علی وجود عدم وجود ترجیح دلیلہ و
عدم ترجیح قول غیریہ فما لم یجتمعا حل العدول
ولم یقل باطلاقه الشکات العدد و فانه یشمل
ما اذا جمعا و لمریر جمع شئی منہما و العمل فیہما
بقول الاحام لا شک مر الاول فی السابعة و قال
سیدہ ط فی ذکاۃ الغنم مسئلۃ صوف المہالک
الی الغنم من المسلم انہ عند عدم التصحیح لا
یعدل من قول صاحب المذہب قولہ فالمنفعة

میں کہتا ہوں یہ اُس سے زائد ہے جو گزرا،
کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ جس میں دلیل امام رائج ہو
تو اس میں قاضی اور مفتی کو دوسرے امام کے قول کی طرف
عدول کرنے کی اجازت ہے اگرچہ اس میں ترجیح نہ دی گئی ہو
کیونکہ عدول نہ کرنے کے حکم کا غنی الی کی دلیل کی ترجیح کے
وجود یا عدم اور غیر کے قول کی عدم ترجیح پر ہے تو جب تک یہ
دونوں چیزیں مجتمع نہ ہوں عدول کرنا جائز ہے اور فقہ علما نے اس کے
اطلاق کا قول نہیں کیا کیونکہ یہ اس صورت کو بھی شامل ہے کہ جب
دونوں کو ترجیح دی گئی ہو یا ان میں سے کسی کو ترجیح
نہ دی گئی ہو، اور ان دونوں صورتوں میں عل امام کے
قول پر ضروری ہو گا، یہ ساتویں میں گزرا۔ اور
سیدہ ط نے ذکاۃ الغنم کے باب میں فرمایا ہاک ہریرا

کہ نکل طرف آئیں۔ اسی کا قول ہم پر امام کے قول کے مطابق فتویٰ دینا کس طرح واجب ہے، کیونکہ شرط مفتوحہ ہے،
نہ اس نے اقرار کیا ہے کہ اس نے مثل کا کے حق میں بھی شرط کو نہیں پایا۔

اقول شبهہ کشفنا ہا فی الثالثة
قوله فهل تراہم اذ تکبوا منکرا۔

اقول معنی علی الذہول عن فرق
الموجب فی حقنا وحقہم وان شئت الہیثم
مکان الفرق فالجاء ان کل من فارق الذلیل
فقد اتی منکرا عند لیثنا قول اما منا و خلافتنا
لہ منکروہ لیلہم ما عن لہم فی السالۃ فمضی
الیہ لا یشکر **قوله** وقد مشی علیہ الشیخ
علاء الدین۔

اقول انما مشی فی صدر کتاب و فی
کتاب القضاء مما علی ان الفتوہ سے علی قول
الامام مطلقا کما سیأتی و قوله اما نحن فعلینا
اتباع مارحیوہ فماخذ من التصحیح حکما
افد تروہ فی رد المحتار و قد کان صدر کلامہ
الہما ہذا و حاصل ما ذکرہ الشیخ قاسم نے
تصحیحہ الہی و قد علمت ما هو مراد التصحیح
التصحیح والحمد للہ علی حسن التفتیح آئینا
علی ما وعدنا من سرد النقول علی
ما قصدنا۔

کی تصریح حسن نتیجہ پر ہے، یہ وہ نقول ہیں جن کا ہم نے وعدہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ شبہ وہ ہے جس کا جواب ہم نے ہم
میں سے چکے ہیں ان کا قول کیا تو دیکھتا ہے کہ انہوں نے کسی
بُری بات کا ارتکاب کیا ہے؟ میں کہتا ہوں یہ بات
اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے جو ہمارے اور ان کے
حق میں موجب سے متعلق ہے، اور اگر آپ بجائے تقریبی
کے جمیع کرنا چاہیں تو امر جامع یہ ہے کہ جو بھی دلیل کو چھوڑے
وہ نا پسندیدہ چیز کا ترک کر دے گا، تو ہماری دلیل ہمارے
امام کا قول ہے اور اسی کے خلاف کتنا بُری بات ہے
اور اسی کی دلیل وہ ہے جو اس مسئلہ میں اسی پر منکشف ہوئی
ہے تو ان کا اس دلیل پر عمل بُری بات نہیں، اسی کا قول
”اسی پر شیخ علاء الدین چکے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ بات
انہوں نے کتاب کی ابتداء اور کتاب القضاء دونوں
جگہ فرمائی ہے کہ فتویٰ مطلقا امام کے قول پر ہے جیسا کہ
آئے گا، اور ان کا قول ہم پر تو اسی کی اتباع ہے
جس کو انہوں نے راجع قرار دیا ہے، تو یہ صحیح سے اخذ
ہے، جیسا کہ آپ نے رد المحتار میں فرمایا، اور دُر
کے کلام کی ابتدا یہی تھی اور یہی اس چیز کا حاصل ہے
جس کو شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں ذکر کیا۔ الا وہ
آپ جہاں چکے ہیں کہ صحیح تصحیح سے مراد کیا ہے اور اللہ

اقول وبالله التوفيق ما هو المقصود

عند ناقد ظہر من مباحثنا تفصیلہ انت
السؤال اما ان يحدث فيها شيء من الخواصل
المتأصلة او لا على الاول الحكم للحاصل و
هو قول الامام الضروري المعتمد على الاطلاق
سواء كان قوله التصوري بل وقول اصحابه
و ترجيحات المرجحين موافقا له او لا علما
متا ان لو حدث هذا في زمانهم لحكموا به
فقول الامام الضروري شيء لا نظير معه في
دواية ولا ترجيح بل هو القول الضروري
للمرجحين ايضا ولا يتقيد ذلك بزمان دون
زمان قال في شرح العقود فان قلت العرف
يتغير مرة بعد مرة فلو حدثت عرفت آخر له
يقم في الزمان السابق فهل يسوغ للمفتي
مخالفة المتصوhen و اتباع العرف العا دث
قلت نعم فان المتأخرين الذين خالفوا المتصوhen
في المسائل السابقة لم يخالفوا القوة اللاحدة و
عرفت بعد من الامام ظلم مفتي اتباع عرفة
الحادث في الانفاظ العرفية وكن في الاحكام
التي بناها المجتهد على ما كان في عرفة
من ماته و تفسير عرفة الى عرفت آخر اقتداد
بهم لكن بعد ان يكون المفتي معتمد
رأى ونظر صحيح و معرفة بقواعد الشرع
حقق يميز بين العرف الذي يجوز بناء الاحكام
عليه وبين غيره قال وكتبت في مراد المحتسار
له رسالة حقوق من رسائل ابن عابدين

الله تعالى کی توفیق سے جو ہمارے

نزدیک مقرر ہے وہ ہم نے اپنی مباحث میں ذکر کیا اور
اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسئلہ میں یا تو پھر اسباب سے
کوئی سبب موجود ہو گا یا نہیں، پہلی صورت میں، حکم
سبب کے لیے ہے، اور یہی امام کا قول ہے جو ضروری
ہے اور معتد ہے علی الاطلاق عام ازیں کہ ان کا قول
صور ہے بلکہ ان کے اصحاب کا قول اور مرجحین کی ترجیحات
اس کے موافق ہوں یا نہ ہوں، چونکہ ہم یہ جانتے ہیں
کہ اس قسم کی چیز اگر ان کے زمانے میں پیدا ہوتی تو وہ
یہی حکم لگاتے تو امام کا ضروری قول ایک ایسی چیز
ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی روایت کو دیکھنے اور
ترجیح کی طرف نگاہ کرنے کی کوئی حاجت نہیں بلکہ مرجحین
کے لیے بھی یہی قول ضروری ہے، اور اس میں کسی زمانہ کی
قید نہیں ہے، شرح عقود میں فرمایا اگر کہا جائے کہ عرف
تو بار بار تبدیل ہوتی رہتی ہے تو اب اگر کوئی نئی عرف
دفع پذیر ہو گئی ہو تو کیا مفتی کے لیے یہ گنجائش ہے کہ نص
کی تو محال لغت کرے اور نئی عرف کے مطابق فیصلہ کرے؟
میں کہوں گا ہاں ایسا ہی ہے کیونکہ جن حضرات نے
نئی عرف کی وجہ سے فتویٰ دیا تو اسی وجہ سے کیا کہ امام
کے زمانہ کے بعد نئی عرف پیدا ہو گئی تھی تو مفتی کو سننے
الفاظ عرفیہ کی پیڑی کرنا چاہیے اور اسی طرح ان احکام
میں جو کسی مجتہد نے اپنے زمانہ کے عرف پر مبنی کیے تھے
اور اب عرف بدل گئی ہو (ان کی اقتدا میں) مفتی ایسا کرنا چاہتا
جو صاحب نظر ہو جسے قواعد شرع کا علم ہو اور یہ سمجھ
سکتا ہو کہ کس عرف پر حکم متفرع کیا جا سکتا ہے اور

فی باب القسامۃ فیما لو ادعی علی رجل من غیر اهل المحلۃ وشہد اثنتان منهم علیہ لہ قتل حیدرہ وقال لا تقبل الخ قتل المسید الحوی عن العلامة المقدسی انہ قال توقفت عن الفتوی بقول الامام ومنعت من اشاعته لما یترتب علیہ من الضرر العاصف من عرقہ من المتمردين یتجا منو علی قتل النفس فی المحلات المقالیۃ من غیر اہلہا معتدا علی عدم قبول شہادتهم علیہ حق قلت ینبغی الفتوی علی قولہما لاسیما والاحکام تختلف باختلاف الابیام انتھی واما لو اذ زرع صاحب الارض ارضہ ما هو ادعی مع قدرہ علی الاعلی وجب علیہ خراج الاعلی فانما لو اذ هذا یصلہ ولا ینبغی بہ کیلا یتجرا الظلمۃ علی اخذ احوال الناس قال فی العنایۃ ورویائہ کیف یجوز الکتمان ولو اخذوا کان فی موضعہ لکونہ واجبا واسبب ہانا لو اذینا بذلک لادعی کل ظالم فی ارض لیس شأنہا ذلک انما قبل حد اکانت تزرع الذعفران مثلا فیما خراج ذلک وھو ظلم وعدوان انتھی وکذا فی فتح القدر قالوا لا ینبغی بعد المساقیۃ من

کس پر نہیں، فرمایا میں نے رد الحثارت کے باب القسام میں لکھا کہ اگر کسی شخص نے محلہ والوں کے علاوہ کسی اور پر دعویٰ کیا اور اہل محلہ میں سے دو نے اس پر گواہی دے کر اسی کے نزدیک یہ گواہی قبول نہ کی جائے گی اور صاحبین نے فرمایا قبول کی جائے گی اگر سید عمری نے علامہ مدنی سے نقل کیا انہوں نے فرمایا کہ میں نے اسی صورت

میں جبکہ امام کے قول پر فتویٰ دینے سے ضرور عام ہوتا ہو توقف کیا، کیونکہ رکنش لوگوں کو اگر پتا چل گیا تو وہ ایسے محلات میں لوگوں کو بے دریغ قتل کریں گے جن میں اہل محلہ کے علاوہ اجنبی لوگ نہ رہتے ہوں، کیونکہ ان کو پستا ہوگا کہ اہل محلہ کی شہادت اُن کے خلاف قبول نہ کی جائے گی اور میں نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دینا مناسب سمجھا خاص طور پر احکام کا تعلق زمانہ کے حالات پر ہوتا ہے انتھی اور مشایخ نے فرمایا کہ جب کسی شخص نے اپنی زمین کا وہ حصہ کاٹتے کیا جو ادنیٰ وجہ سے اور اعلیٰ کو چھوڑ دیا تو اعلیٰ کا خراج واجب ہوگا مشایخ نے فرمایا کہ یہ پھر بھائی جاسے گی مگر اس پر فتویٰ نہ دیا جاسے گا، تاکہ ظالم حکام لوگوں کا مالی ہڑپ کرنے کی جرات نہ کریں

تسلط الظلمة على احوال المسلمين اذ يدعى
كل ظالمات الاسرار تصليح لفرجة الزعفران
ونحوه علاج صعب انتهى فقد ظهر لك
ان جمود المقتى او القاضى على ظاهر المنقول
مع ترك العرف والقرائن الواضحة والجهل
باحوال الناس يلزم منه تضییع حقوق
كثيرة وظلم خلق كثير ^{الله}

عنایہ میں کہا اس کو رد کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ
کیسے درست ہے کہ حق کو پھپھایا جائے اور اگر وہ اس کے
لیں تو وہ اپنی جگہ ہو گا کیونکہ یہ واجب ہے اس کا جواب
یہ دیا گیا ہے کہ اگر ہم یہ فتویٰ دیں تو ہر ظالم زمین کی کاشت
یہ دعویٰ کرے گا کہ اس سے قبل اس میں زعفران
کاشت ہوئی تھی اور تمہیں اسی اعتبار سے شرائع دینا
ہوگا، حالانکہ یہ سراسر ظلم ہے انہیں کدافی فتح القدر،
مشائخ نے فرمایا اس پر فتویٰ نہ دیا جائے کہ اس طرح ظالموں کو احوال مسلمان پر تسلط حاصل ہوگا کہ ہر ظالم
یہ دعویٰ کرے گا کہ یہ زمین زعفران کی کاشت کے لائق ہے اور اس کا حل مشکل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مفتی
یا قاضی کا محض متولات کے ظاہر کو پکڑ کر بیٹھ جانا، اور لوگوں کے عرفت، قرآن و اخلاق اور لوگوں کے احوال سے صرف نظر
کر لینا بہت سے حقوق کے زائل ہو جانے کا باعث ہوگا اور خلق خدا پر ظلم و تعدی کا دروازہ کھل جائے گا اور

اقول ومن ذلك افتاء السيد بنقل
انقاض مسجد خرب ما حوله واستغنى عنه
الى مسجد آخر قال في رد المحتار وقصد
وقعت حادثة سئلت عنها في امير اس اداغب
ينقل بعض احبار مسجد خراب في سفح
قاسيون بد مشق ليلبط بها صحن الجامع
الاصوي فافقت بعد الجواز متابعت
للمشربلا في ثم بلغني ان بعض المتعلمين اخذ
تلك الاحبار لنضسه فندمت على ما افقت
به ^{الله} ومن ذلك افتاء جرد المقدسي بجواز
اخذ الحق من خلافت جندسه حذا وتضييع

میں کہتا ہوں سید نے اسی لیے یہ فتویٰ دیا
کہ جس مسجد کے گرد آبادی کسی وجہ سے ختم ہو گئی ہو تو
اس کا بلکہ وہ سری مسجد پر لگایا جا سکتا ہے والتمس
میں ہے کہ مجھ سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ دمشق کے
علاقہ سیف قاسیون کی مسجد ویران ہو گئی تو امیر نے
خیال ظاہر کیا کہ اس کے کچھ پتھر جامع اموی کے صحن
میں لٹکائے جائیں تو میں نے مشربلا کی متابعت
میں عدم جواز کا فتویٰ دیا، پھر بعد میں مجھے اطلاع مل
کہ کچھ کرکس لوگوں نے یہ پتھر خود اپنے استعمال کھائے
لے لیے، اس پر مجھے اپنے فتویٰ پر مذمت ہوئی اور
اسی کی ایک مثال یہ ہے کہ مقدسی کے دادا نے فتویٰ

الحقوق قال في رد المحتار قال القهستاني
وفيه إساءة إلى أن له أن يأخذ من خصال
جنسه عند المعاشة في المأثقة وهذا
أوسع في جرح الأخذ به وإن لم يكن مذنباً
فإن الإنسان يعذر في العمل به عند الضرورة
كما في الزاهدى اه قلت وهذا ما قالوا
أنه لا يستدل به لكن من آيت في شرح نظم
الكفر للمقدسي من كتاب الحبر قال ونقل جدد
والدي لاصح الجمال الاثنى عشر في شرحه لنقد
أن عدم جواز الأخذ من خلات الجنس كان
في زمانهم لمطاعاً وعندهم في الحقوق والفتوى
اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي
مال كان لا سيما في ديارنا في مداو متهم
العقوق اه ومن ذلك آيت في مراراً بعدم
انفساخ نكاح امرأة مسلمة بائناً دها لهما
من آيت من تجا سرهن عبادة إلى قطع
العصمة مع عدم إمكان استزقاقهن في بلادنا
ولا ضربهن وجبرهن على الإسلام كما بيته
في السير من فتا وينادو له منب نظير
وعلى الثاني أن لم تكن فيهما رواية من
الاصاح فخرج عما نحن فيه ولا شك أن
الرجوع إلى ذلك المجهدين في الصدح
والنكاحات فاما مختلفة عنه أولاً على الأول

دیکہ کہ خلاف جنس سے حق وصول کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ
قیمت برابر ہو تاکہ حقوق ضائع ہونے سے بچ جائیں
رد المحتار میں قہستانی سے منقول ہے کہ اس میں شرط
اشارہ ہے کہ جب مالی مجانست پائی جائے تو مخالف
جنس سے حق وصول کرنا جائز ہے اس میں گنجائش
زیادہ ہے لہذا اس پر عمل جائز ہے اگرچہ یہ ہمارا مذہب
نہیں ہے کیونکہ ضرورت کے وقت انسان اس پر
عمل کرنے میں معذور ہے جیسا کہ زاہدی میں ہے اور
میں کہتا ہوں کہ اس قول کی کوئی سند نہیں ہے
لیکن میں نے مقدسی کی کتاب الحجری شرح نظم الکفر
میں دیکھا انہوں نے فرمایا کہ میر والد کے ادنیٰ اپنی والدہ
کیلئے نقل کیا (انکا نام الجہال الا شقر تھا) قدوری کی
شرح میں فرمایا کہ خلاف جنس حق کا نہ لینا ان کے نماز
میں تھا کیونکہ وہ حقوق کی ادائیگی میں بہت فراخ دل
تھے، اور آج کل فتویٰ یہ ہے کہ حق جس طرح اور جس
جنس سے وصول ہو سکے وصول کیا جائے، خاص طور
پر ہمارے ملک میں جہاں لوگ ادائیگی حقوق میں بہت
پس و پیش کرتے ہیں اور اسی قبیل سے میرا یہ فتویٰ
ہے کہ مسلمان عورت کے ازدواج سے اس کا نکاح فسخ
نہیں ہوتا ہے، کیونکہ عورتیں بڑی جرأت مند ہو گئی
ہیں اور عصمت کے قطع کرنے میں جلدی کرتی ہیں اور
ہمارے بلاد میں ان کو بائیاں بنانا بھی ممکن نہیں اور
نہ ان کو مار پیٹ کر مسلمان کرنے کا امکان ہے جیسا

کہ میں نے اپنے فتاویٰ کے باب السیر میں بیان کیا اور اس کی بہت سی نظیریں ہیں۔

اور دوسری تقریر پر، اگر اس میں امام سے کوئی روایت نہیں تو یہ چیز مانحن فیہ سے خارج ہے اور بلاشبہ ایسی صورت میں مجتہدین طہذیب کی طرف رجوع کرنا ہوگا اگر امام سے کوئی روایت ہو تو مختلف ہوگی یا نہیں پہلے مرتبہ میں ان کی طرف رجوع ہوگا اور جو صورت بھی ہوگی بہر حال اہل حق سے قول سے خروج نہ ہوگا اور میری مراد اختلاف سے تراویح کا ظاہر روایت کے خلاف ہونا نہیں ہے کیونکہ جو چیزیں ظاہر روایت سے خارج ہیں ان سے رجوع کیا جا چکا ہے جیسا کہ اس پر تفصیل کی گئی ہے جو غیر شامی وغیرہم میں اور جس چیز سے امام صاحب رجوع کر چکے ہوں وہ ان کا قول ہی نہ رہا ہے بلکہ پوری بات اور دوسری تقریر پر یا تو ان کے صاحبین نے ان کی موافقت کی ہوگی یا کسی ایک نے موافقت کی ہوگی یا دونوں نے ان کی مخالفت کی ہوگی پہلی صورت میں امام صاحب کے قول پر قطعاً عمل کرنا ہوگا اور مجتہد فی المذہب کو روا نہیں کر سوائے استثنائی صورت کے ان کی مخالفت کر سہ (یعنی چھ اسباب کی صورت میں) کیونکہ اس میں ان کی مخالفت نہیں بلکہ ان کی مخالفت ان کے اصحاب کی مخالفت کرنے کی صورت میں ہوگی اور اسی طرح دوسری صورت میں جیسا کہ انہوں نے صراحت کی ہے اور تیسری

الرجوع الیہم وکیف ما کان لایکون خروجاً عن قوله سہتی اللہ تعالیٰ عنہ ولا احق بالاختلاف معنی الشراذم علی خلاف الظاہ فان ما خرج عن ظاہر السراویۃ مرجع عنہ کما نص علیہ البحر والخیر والشمسی وغیرہم و ما سجم عنہ لم یبق قولہ فثبت و علی الثانی اما واقفہ صاحبہا و او احدہما او خالفہ علی الاول العمل بقولہ قطعاً ولا یجوز لاجتہاد فی المنہب ان یخالفہم الا فی صور الثنیۃ اعنی الہو اصل المست فانه لیس خلافہم بل فی خلافہ خلافہم و کذا لک علی الثانی کما نصوا علیہ ایضاً و علی الثالث اما ان یتفقا علی شی واحد او خالفوا و تخالفوا علی الثانی العمل بقولہ مطلقاً و علی الاول اما ان یتفق المخرجون علی ترجیح قولہما او قولہ اولو لا بان یختلفوا فیہ اولیاتی ترجیح ثنی منہما الاول لا کانت ولا یكون قطاً ابدال اللفظ احدی الہو اصل المست و حیثئذ متبعہم لانه قول امامنا میل اکتنا الثلثۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم صریحاً لہما و عنہ و یالہ و انت جہد احد غایۃ جہدہ ان یتخرج قرعاً مست غیر المست اجم فیہ المخرجون عن آخرہ علی تولد قولہما و اخیار قولہما فلن یجد نہ ابدالاً و للہ الحمد

صورت میں یا تو وہ دونوں ایک چیز پر متفق ہوں گے یا
 دونوں مخالف ہوں گے دوسری صورت میں امام کے
 قول پر مطلقاً عمل ہوگا، اور پہلی صورت میں اگر
 ترجیح دیتے والے صاحبین کے قول پر متفق ہوں، یا
 امام صاحب کے قول پر متفق ہوں یا نہ ہوں، اور
 نہ اس میں اختلاف کریں یا ان دونوں میں سے کسی
 کی ترجیح نہ آئے، پہلا نہیں، تھا اور نہ ہوگا کبھی بھی
 مگر چھ وجوہات میں۔ اور اس وقت ہم ان کی پٹری
 کریں گے، کیونکہ وہ ہمارے امام کا قول ہے بلکہ ہمارے
 ائمہ شیعہ کا ہے، صاحبین کا قول صوری ہے اور امام کا
 ضروری ہے، اور اگر کوئی شخص اپنی پوری کوشش کرے
 کہ چھ کے علاوہ کوئی اور فرع نکالے جس میں ترجیح دیتے
 والوں نے ابو حنیفہ کے قول کے ترک اور صاحبین کے
 قول کے اختیار کا فیصلہ دیا ہو تو ایسا ہرگز نہ پائیں گے
 ولہذا الحمد۔ اور دوسرا ظاہر ہے کہ اجتماعی طور پر امام
 کے قول پر ہی عمل ہو۔ اس میں کسی کو مجال اختلاف
 نہیں، یہاں تک مسائل میں کسی کا اختلاف نہیں
 اور ان تمام صورتوں میں عمل امام کے قول پر ہوگا۔ باقی
 رہا تیسرا جو ان شقوں میں آٹھواں ہے، اسی میں اختلاف
 واقع ہوا ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ یہاں بھی مجتہد کو
 اختیار نہیں ہے اس کو قول امام کی پیروی لازم ہے
 خواہ اس کا اپنا اجتہاد صاحبین کے قول کی ترجیح کا مقتضی
 ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ خواہ مجتہد نہ بھی ہو تب بھی اس
 کو مطلقاً اختیار ہے اور مشایخ کا جس پر اتفاق
 نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ مقلد تو امام کے قول کی پیروی

والثانی ظاہر ان العمل بقوله اجماعاً لا یطغی
 ان یطغی فیہ حتران فالسائل الی هذا خلافت
 فیہا وفيہا جیمما العمل بقول الامام معہا وجد
 بقی الثانی حتران ثمانیۃ من هذه الشقوق
 فهو الذی اتی فیہ الخلاف فقیل حتران نفسا
 لا تغیر حتی المجتہد بل یقیم قول الامام
 وان ادعی اجتہاده الی ترجیح قولہما وقیل
 بل یتخیر مطلقاً ولو غیر مجتہد والذی
 اتفقت علیہم علی تصحیحہ التفسیر بای
 المقلد یقیم قول الامام واهل النظر قسم
 الذلیل فقد التأت الكلمات الصغیرة لمجتہد
 جیمما علی ان المقلد لیس له الا تعیلد الامام
 وان افتی بخلافه صفت او مفتون۔ فان اشد
 جیمما بخلافه فی غیر صور الثبوت ما کان وما
 یكون۔ والحمد لله رب العالمین وصلواتہ الدائمۃ
 علی مالہ ما کان وما یكون۔ علی الہ وصحبہ
 وابنہ وحزینہ افضل ما سأل السائلون۔
 هذا ما تلخص لنا من کلماتہم وهو المنہل
 العبا فی الذی وردہ البحر فاستتم نصوص
 القطر کشف اللہ تعالیٰ بھم العناء۔ وجلاہم
 بھما کل ہلاہ وحبائہ۔

خمس۔ اور یوں نصاً علی المدعی

فی مخطوط الامام المحدث
 ثم انفاوی الہندیۃ لا بد من صغرۃ فصلین
 احدھما انہ اذا اتفق اصحابہ فی شیء البر حنفیۃ
 دیاو یوسف و محمد بن علی اللہ تعالیٰ عنہم
 لا یلیق للناس ان یخالفہم برأیہ والثانی

اذا اختلفوا فيما بينهم قال عبد الله بن المبارك
رحمته الله تعالى يؤخذ بقول أبي حنيفة رضي
الله تعالى عنه لانه كان من التابعين وراحهم
في الفتوى اذ مراد الصلابة قاسم في تصحيحه
ثم الشامي في رد المحتار بقوله اسد واقوى
ما لم يكن اختلاف عصر و زمان اه

کرے اور صاحب نظر قوی دلیل کو دیکھ، لہذا اس پر
اتفاق ہو گیا کہ متقدم کے لیے سوائے اس کے اور کوئی
بیانہ کار نہیں کہ وہ امام کے قول کی پیروی کرے خواہ مفتی
بلکہ کئی مفتی بھی اس کے خلاف فتویٰ دے دیں، کیونکہ
اُن سب کا فتویٰ مستحنا رکھ مذکورہ صورتوں میں کوئی
حیثیت نہیں رکھتا ہے والحمد للہ رب العالمین عالم
ماکان وما یكون پر اللہ تعالیٰ کی دائمی رحمت ہو اور ان کی آل، اصحاب، اولاد اور پیروکاروں پر، افضل اس سے
جو سوال کرنے والے سوال کریں، ہمارے مشائخ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے جو ہم نے ذکر کیا، یہ وہ گھاٹ ہے جس پر
سمندر روا رہا، اب علماء کی تصویح منوجن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اندھیرے کو سولے اور ہر بلا اور بوجہ کو دور کیا۔

ملک پر پینٹا لیش و لیش

محیط امام سرخسی، رفاہی ہندی میں ہے وہ چیزوں کو بوجہ لینا ضروری ہے ایک قویہ کہ مسئلہ پر اگر ابو حنیفہ، ابو یوسف اور امام محمد کا اتفاق
ہو جائے قضاہی کو اس کے خلاف اپنی رائے استعمال کرنے کی اجازت نہیں، اور دوسری چیز یہ کہ اگر ان اصحاب
میں اختلاف ہو تو عبد اللہ بن المبارک نے فرمایا ابو حنیفہ کا قول اختیار کیا جائیگا کیونکہ وہ تابعی تھے، اور وہ اُن سے
فتویٰ میں مزاحمت کر رہے ہیں اہ علامہ قاسم نے اپنی تصحیح میں اضافہ کیا پھر شامی نے رد المحتار میں، اور وہ یہ ہے
کہ ان کا قول اس وقت تک زیادہ درست اور اقویٰ ہوگا جب تک اس میں زمانہ کا اختلاف نہ آگیا ہو اور
اقول وقول السرخسی برأیه یدل ان

سے "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت مجتہد
کے لیے ہے اور لا ینبغی کا مطلب یہ ہے کہ نہ کرے
کیونکہ پہلے انہوں نے لا بد فرمایا ہے کیونکہ کسی
مستحب کے لیے لا بد من معرفتہ کا لفظ استعمال
نہیں ہوتا ہے کیونکہ جس چیز کا کرنا ضروری نہیں اس کی
معرفت بھی ضروری نہیں، علم تو عمل ہی کے لیے ہوتا ہے۔
اور رفاہی قاضی خان میں ہے کہ ہمارے زمانہ کے کسی
مفتی سے اگر کسی مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا جائے

المنی للمجتہد ولا ینبغی ای لا یفعل بدلیل
قوله لا بد فلا یقال للمستحب لا بد من معرفتہ
انما لا یحتاج الی فعله لا یحتاج الی معرفتہ انما
العلم للعمل وفي فتاویٰ الامام الاجل فقیہ
المنس قاضی خان المفتی فی زماننا من اصحابنا
اذا استفتی فی مسألة وسئل عن واقعة انکسار
المسألة مروية عن اصحابنا فی الروایات
الظاهرية بلا خلاف بینهم فانه یبطل الیهم

لہ رفاہی ہندیہ، الباب الثالث فی ترتیب الدلائل للعلم بها نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۱۲

رد المحتار رسم المفتی معطف الباب فی مصر ۵۲/۱

و یفتی بقولہم ولای مخالفہم برأیہ وانکات
 مجتہد استقلال الظاہر ان یکون الحق
 مع اصحابنا ولا یعد وھم واجتہادہ لا یبلغ
 اجتہادہم ولا یظہر ان قول من خالفھم
 ولا یقبل حجۃ لانھم عرفوا الادلۃ وینتوا
 ما صح وثبت وین ضدہ فانکات المسألة
 مختلفا فیہا بین اصحابنا فانکات مع
 ابن حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ احد صاحبہ
 یؤخذ بقولھما لوفور الشراط واشتجاع ادلۃ
 الصواب فیہما وان خالف ابا حنیفۃ رحمہ
 اللہ تعالیٰ صاحبہ فی ذلک فانکات اختلافہم
 معروتر مان کا نقصاء بظاہر الحدیث یاخذ
 بقول صاحبہ لتغیر احوال الناس وقرآن
 والمعاملۃ ونحوہما ینصا قولھما لاجتماع
 المتأخرین علی ذلک وفیہما سوی ذلک قال
 بعضهم یتخیر المجتہد ویعمل بما افضی
 الیہہ رأیہ وقال عبد اللہ بن الملباس لکیاخذ
 بقول ابن حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ اھ

پر فیصلہ کرنا تو اس صورت میں صاحبین کے قول پر فیصلہ ہوگا کیونکہ مزاحمت اور معاملہ میں لوگوں کے حالات
 زمانہ کے تغایروں کے پیش نظر بدل چکے ہیں، ایسی صورت میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہوگا کیونکہ متاخرین کا اس پر
 اجماع ہے، اور اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر بعض نے کہا مجتہد کو انصاف ہے کہ اسکی رائے میں جو صحیح ہو وہ اس کے
 مطابق فیصلہ کرے اور عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا کہ ابو حنیفہ کے قول پر عمل کیا جائے گا۔

اقول ونوجه ربنا الحمد استے

تو اگر یہ مسئلہ ہمارے اصحاب کی روایات ظاہریں
 بلا خلاف مروی ہو تو حقیقی ان حضرات کی رائے سے
 اختلاف نہ کر سنا خواہ وہ کتنا ہی پختہ عالم اور مجتہد کیوں
 نہ ہو، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حتی ہمارے اصحاب کے ساتھ
 ہی ہوگا، اور مفتی کا اجتہاد ان حضرات
 کے اجتہاد کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا ہے
 اور جن لوگوں نے ان حضرات سے اختلاف
 کیا ہے اس کی طرف تو حسیہ مذہبی جائیگی
 کیونکہ ان حضرات نے دلائل میں غور کیا اور
 صحیح و غلط میں امتیاز کیا، اور اگر مسئلہ
 میں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہو تو
 اگر ابو حنیفہ کے ساتھ ان کا کوئی صاحب
 ہو تو ان دونوں کے قول کو اختیار کیا جائے گا
 کیونکہ سید الشہداء پروری ہیں اور اولیٰ موجود
 ہیں اور اگر ابو حنیفہ کے صاحبین
 ابو حنیفہ کی مخالفت میں ہوں اور اگر
 اختلاف کی جگہ زمانہ ہو تو مثلاً گواہ کی ظاہری عدالت

میں لوگوں کے حالات
 زمانہ کے تغایروں کے پیش نظر بدل چکے ہیں، ایسی صورت میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہوگا کیونکہ متاخرین کا اس پر
 اجماع ہے، اور اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر بعض نے کہا مجتہد کو انصاف ہے کہ اسکی رائے میں جو صحیح ہو وہ اس کے
 مطابق فیصلہ کرے اور عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا کہ ابو حنیفہ کے قول پر عمل کیا جائے گا۔

میں کتنا ہوں الحمد للہ انھوں نے وہ تمام امور

”واؤ“ کی روایت کتب میں مشہور ہے اور ترتیب کے
معنی یہ ہیں کہ جب ”امام کا قول نہ ملے“ پھر شیعی نے
اپنی شرح عقود میں فرمایا ”جب امام کا قول نہ پایا جائے
تو ابراہیم سے قول کو محمد کے قول پر مقدم کیا جائے گا
اور فرمایا ہر یہ غیر مجتہد کے حق میں ہے مگر وہ مفتی جو
مجتہد بھی ہو تو اس کو یہ اختیار ہے کہ ہر دلیل اس کے
نزدیک رائج ہو اس پر فتویٰ دے۔“

میں کہتا ہوں کہ جب امام کا قول نہ ملے تو مفتی
مجتہد مذکورہ ترتیب کا پابند نہیں، مفتی اگر اس کی رائے
میں تیسرے امام کی رائے رائج بھی ہو تب بھی وہ دوسرے
امام کے قول پر فتویٰ دے سکتا ہے جیسے کہ بالاتفاق
وہ اس صورت میں پابند ہے جبکہ امام کے ساتھ صاحبین
ہوں یا ایک صاحب ہوں اور جو رائے انہوں نے
ظاہر کی ہے وہی ظاہر ہے۔ پھر سراجیہ اند نہ رہنے کہا کہ
جب ابو حنیفہ ایک طرف ہوں اور ان کے صاحبین دوسری
طرف ہوں تو مفتی کو اختیار ہے، اور پہلا صحیح ہے
بشرطیکہ مفتی مجتہد نہ ہو اور نہ خود ہی مجتہد
کے قاضی مفتی کی طرح (علی الاطلاق ابو حنیفہ کا قول
اختیار کرے) اور یہی زیادہ صحیح ہے، نیز دوسرا جہاد
حاوی میں دلیل کی قوت کو معتبر مانا ہے، اور پہلا

فی الکتاب اللہ و معنی المتزیل ای اذا الشرح
یوجد قول الامام ثم رأیت الشافعی صرح
به فی شرح عقود لا حیث قال اذا لم یوجد
للمام فمض یقدم قول ابی یوسف ثم محمد
قال والظاهر ان هذا فی حق غیر المجتہد
اما المفتی المجتہد فیدتخیر بما یترجع عنده
ودلیلہ۔

اقول ای اذا لم یوجد قول الامام
لا یتقید بالترتیب یتیم قول الشافعی وانت
ادی ما یرى انی قول الثالث کما کان لا یتخصیر
اتفاقاً اذا کان مع الامام صاحباً او احدهما
والذی استظهره ظاهر ثم قال لا حنی السراجیة
والنهر وقیل اذا کان ابو حنیفة فی جانب
وصاحباً فی جانب فالنهی بالنہای الاول
اصح اذا لم یکن المفتی مجتہداً ^{۱۱} وکفی
التشویر والدر (یاخذ) القاضی کالمفتی (بقول
ابی حنیفة علی الاطلاق) وهو الاصح منیة
وسراجیة وصحیح فی الحاوی اعتبار قوۃ
المدرك الاول الضبط ^{۱۲} (ولا یتخیر الا
اذا کان مجتہداً) ^{۱۳} ^{۱۴} ^{۱۵} ^{۱۶} ^{۱۷} ^{۱۸} ^{۱۹} ^{۲۰} ^{۲۱} ^{۲۲} ^{۲۳} ^{۲۴} ^{۲۵} ^{۲۶} ^{۲۷} ^{۲۸} ^{۲۹} ^{۳۰} ^{۳۱} ^{۳۲} ^{۳۳} ^{۳۴} ^{۳۵} ^{۳۶} ^{۳۷} ^{۳۸} ^{۳۹} ^{۴۰} ^{۴۱} ^{۴۲} ^{۴۳} ^{۴۴} ^{۴۵} ^{۴۶} ^{۴۷} ^{۴۸} ^{۴۹} ^{۵۰} ^{۵۱} ^{۵۲} ^{۵۳} ^{۵۴} ^{۵۵} ^{۵۶} ^{۵۷} ^{۵۸} ^{۵۹} ^{۶۰} ^{۶۱} ^{۶۲} ^{۶۳} ^{۶۴} ^{۶۵} ^{۶۶} ^{۶۷} ^{۶۸} ^{۶۹} ^{۷۰} ^{۷۱} ^{۷۲} ^{۷۳} ^{۷۴} ^{۷۵} ^{۷۶} ^{۷۷} ^{۷۸} ^{۷۹} ^{۸۰} ^{۸۱} ^{۸۲} ^{۸۳} ^{۸۴} ^{۸۵} ^{۸۶} ^{۸۷} ^{۸۸} ^{۸۹} ^{۹۰} ^{۹۱} ^{۹۲} ^{۹۳} ^{۹۴} ^{۹۵} ^{۹۶} ^{۹۷} ^{۹۸} ^{۹۹} ^{۱۰۰} ^{۱۰۱} ^{۱۰۲} ^{۱۰۳} ^{۱۰۴} ^{۱۰۵} ^{۱۰۶} ^{۱۰۷} ^{۱۰۸} ^{۱۰۹} ^{۱۱۰} ^{۱۱۱} ^{۱۱۲} ^{۱۱۳} ^{۱۱۴} ^{۱۱۵} ^{۱۱۶} ^{۱۱۷} ^{۱۱۸} ^{۱۱۹} ^{۱۲۰} ^{۱۲۱} ^{۱۲۲} ^{۱۲۳} ^{۱۲۴} ^{۱۲۵} ^{۱۲۶} ^{۱۲۷} ^{۱۲۸} ^{۱۲۹} ^{۱۳۰} ^{۱۳۱} ^{۱۳۲} ^{۱۳۳} ^{۱۳۴} ^{۱۳۵} ^{۱۳۶} ^{۱۳۷} ^{۱۳۸} ^{۱۳۹} ^{۱۴۰} ^{۱۴۱} ^{۱۴۲} ^{۱۴۳} ^{۱۴۴} ^{۱۴۵} ^{۱۴۶} ^{۱۴۷} ^{۱۴۸} ^{۱۴۹} ^{۱۵۰} ^{۱۵۱} ^{۱۵۲} ^{۱۵۳} ^{۱۵۴} ^{۱۵۵} ^{۱۵۶} ^{۱۵۷} ^{۱۵۸} ^{۱۵۹} ^{۱۶۰} ^{۱۶۱} ^{۱۶۲} ^{۱۶۳} ^{۱۶۴} ^{۱۶۵} ^{۱۶۶} ^{۱۶۷} ^{۱۶۸} ^{۱۶۹} ^{۱۷۰} ^{۱۷۱} ^{۱۷۲} ^{۱۷۳} ^{۱۷۴} ^{۱۷۵} ^{۱۷۶} ^{۱۷۷} ^{۱۷۸} ^{۱۷۹} ^{۱۸۰} ^{۱۸۱} ^{۱۸۲} ^{۱۸۳} ^{۱۸۴} ^{۱۸۵} ^{۱۸۶} ^{۱۸۷} ^{۱۸۸} ^{۱۸۹} ^{۱۹۰} ^{۱۹۱} ^{۱۹۲} ^{۱۹۳} ^{۱۹۴} ^{۱۹۵} ^{۱۹۶} ^{۱۹۷} ^{۱۹۸} ^{۱۹۹} ^{۲۰۰} ^{۲۰۱} ^{۲۰۲} ^{۲۰۳} ^{۲۰۴} ^{۲۰۵} ^{۲۰۶} ^{۲۰۷} ^{۲۰۸} ^{۲۰۹} ^{۲۱۰} ^{۲۱۱} ^{۲۱۲} ^{۲۱۳} ^{۲۱۴} ^{۲۱۵} ^{۲۱۶} ^{۲۱۷} ^{۲۱۸} ^{۲۱۹} ^{۲۲۰} ^{۲۲۱} ^{۲۲۲} ^{۲۲۳} ^{۲۲۴} ^{۲۲۵} ^{۲۲۶} ^{۲۲۷} ^{۲۲۸} ^{۲۲۹} ^{۲۳۰} ^{۲۳۱} ^{۲۳۲} ^{۲۳۳} ^{۲۳۴} ^{۲۳۵} ^{۲۳۶} ^{۲۳۷} ^{۲۳۸} ^{۲۳۹} ^{۲۴۰} ^{۲۴۱} ^{۲۴۲} ^{۲۴۳} ^{۲۴۴} ^{۲۴۵} ^{۲۴۶} ^{۲۴۷} ^{۲۴۸} ^{۲۴۹} ^{۲۵۰} ^{۲۵۱} ^{۲۵۲} ^{۲۵۳} ^{۲۵۴} ^{۲۵۵} ^{۲۵۶} ^{۲۵۷} ^{۲۵۸} ^{۲۵۹} ^{۲۶۰} ^{۲۶۱} ^{۲۶۲} ^{۲۶۳} ^{۲۶۴} ^{۲۶۵} ^{۲۶۶} ^{۲۶۷} ^{۲۶۸} ^{۲۶۹} ^{۲۷۰} ^{۲۷۱} ^{۲۷۲} ^{۲۷۳} ^{۲۷۴} ^{۲۷۵} ^{۲۷۶} ^{۲۷۷} ^{۲۷۸} ^{۲۷۹} ^{۲۸۰} ^{۲۸۱} ^{۲۸۲} ^{۲۸۳} ^{۲۸۴} ^{۲۸۵} ^{۲۸۶} ^{۲۸۷} ^{۲۸۸} ^{۲۸۹} ^{۲۹۰} ^{۲۹۱} ^{۲۹۲} ^{۲۹۳} ^{۲۹۴} ^{۲۹۵} ^{۲۹۶} ^{۲۹۷} ^{۲۹۸} ^{۲۹۹} ^{۳۰۰} ^{۳۰۱} ^{۳۰۲} ^{۳۰۳} ^{۳۰۴} ^{۳۰۵} ^{۳۰۶} ^{۳۰۷} ^{۳۰۸} ^{۳۰۹} ^{۳۱۰} ^{۳۱۱} ^{۳۱۲} ^{۳۱۳} ^{۳۱۴} ^{۳۱۵} ^{۳۱۶} ^{۳۱۷} ^{۳۱۸} ^{۳۱۹} ^{۳۲۰} ^{۳۲۱} ^{۳۲۲} ^{۳۲۳} ^{۳۲۴} ^{۳۲۵} ^{۳۲۶} ^{۳۲۷} ^{۳۲۸} ^{۳۲۹} ^{۳۳۰} ^{۳۳۱} ^{۳۳۲} ^{۳۳۳} ^{۳۳۴} ^{۳۳۵} ^{۳۳۶} ^{۳۳۷} ^{۳۳۸} ^{۳۳۹} ^{۳۴۰} ^{۳۴۱} ^{۳۴۲} ^{۳۴۳} ^{۳۴۴} ^{۳۴۵} ^{۳۴۶} ^{۳۴۷} ^{۳۴۸} ^{۳۴۹} ^{۳۵۰} ^{۳۵۱} ^{۳۵۲} ^{۳۵۳} ^{۳۵۴} ^{۳۵۵} ^{۳۵۶} ^{۳۵۷} ^{۳۵۸} ^{۳۵۹} ^{۳۶۰} ^{۳۶۱} ^{۳۶۲} ^{۳۶۳} ^{۳۶۴} ^{۳۶۵} ^{۳۶۶} ^{۳۶۷} ^{۳۶۸} ^{۳۶۹} ^{۳۷۰} ^{۳۷۱} ^{۳۷۲} ^{۳۷۳} ^{۳۷۴} ^{۳۷۵} ^{۳۷۶} ^{۳۷۷} ^{۳۷۸} ^{۳۷۹} ^{۳۸۰} ^{۳۸۱} ^{۳۸۲} ^{۳۸۳} ^{۳۸۴} ^{۳۸۵} ^{۳۸۶} ^{۳۸۷} ^{۳۸۸} ^{۳۸۹} ^{۳۹۰} ^{۳۹۱} ^{۳۹۲} ^{۳۹۳} ^{۳۹۴} ^{۳۹۵} ^{۳۹۶} ^{۳۹۷} ^{۳۹۸} ^{۳۹۹} ^{۴۰۰} ^{۴۰۱} ^{۴۰۲} ^{۴۰۳} ^{۴۰۴} ^{۴۰۵} ^{۴۰۶} ^{۴۰۷} ^{۴۰۸} ^{۴۰۹} ^{۴۱۰} ^{۴۱۱} ^{۴۱۲} ^{۴۱۳} ^{۴۱۴} ^{۴۱۵} ^{۴۱۶} ^{۴۱۷} ^{۴۱۸} ^{۴۱۹} ^{۴۲۰} ^{۴۲۱} ^{۴۲۲} ^{۴۲۳} ^{۴۲۴} ^{۴۲۵} ^{۴۲۶} ^{۴۲۷} ^{۴۲۸} ^{۴۲۹} ^{۴۳۰} ^{۴۳۱} ^{۴۳۲} ^{۴۳۳} ^{۴۳۴} ^{۴۳۵} ^{۴۳۶} ^{۴۳۷} ^{۴۳۸} ^{۴۳۹} ^{۴۴۰} ^{۴۴۱} ^{۴۴۲} ^{۴۴۳} ^{۴۴۴} ^{۴۴۵} ^{۴۴۶} ^{۴۴۷} ^{۴۴۸} ^{۴۴۹} ^{۴۵۰} ^{۴۵۱} ^{۴۵۲} ^{۴۵۳} ^{۴۵۴} ^{۴۵۵} ^{۴۵۶} ^{۴۵۷} ^{۴۵۸} ^{۴۵۹} ^{۴۶۰} ^{۴۶۱} ^{۴۶۲} ^{۴۶۳} ^{۴۶۴} ^{۴۶۵} ^{۴۶۶} ^{۴۶۷} ^{۴۶۸} ^{۴۶۹} ^{۴۷۰} ^{۴۷۱} ^{۴۷۲} ^{۴۷۳} ^{۴۷۴} ^{۴۷۵} ^{۴۷۶} ^{۴۷۷} ^{۴۷۸} ^{۴۷۹} ^{۴۸۰} ^{۴۸۱} ^{۴۸۲} ^{۴۸۳} ^{۴۸۴} ^{۴۸۵} ^{۴۸۶} ^{۴۸۷} ^{۴۸۸} ^{۴۸۹} ^{۴۹۰} ^{۴۹۱} ^{۴۹۲} ^{۴۹۳} ^{۴۹۴} ^{۴۹۵} ^{۴۹۶} ^{۴۹۷} ^{۴۹۸} ^{۴۹۹} ^{۵۰۰} ^{۵۰۱} ^{۵۰۲} ^{۵۰۳} ^{۵۰۴} ^{۵۰۵} ^{۵۰۶} ^{۵۰۷} ^{۵۰۸} ^{۵۰۹} ^{۵۱۰} ^{۵۱۱} ^{۵۱۲} ^{۵۱۳} ^{۵۱۴} ^{۵۱۵} ^{۵۱۶} ^{۵۱۷} ^{۵۱۸} ^{۵۱۹} ^{۵۲۰} ^{۵۲۱} ^{۵۲۲} ^{۵۲۳} ^{۵۲۴} ^{۵۲۵} ^{۵۲۶} ^{۵۲۷} ^{۵۲۸} ^{۵۲۹} ^{۵۳۰} ^{۵۳۱} ^{۵۳۲} ^{۵۳۳} ^{۵۳۴} ^{۵۳۵} ^{۵۳۶} ^{۵۳۷} ^{۵۳۸} ^{۵۳۹} ^{۵۴۰} ^{۵۴۱} ^{۵۴۲} ^{۵۴۳} ^{۵۴۴} ^{۵۴۵} ^{۵۴۶} ^{۵۴۷} ^{۵۴۸} ^{۵۴۹} ^{۵۵۰} ^{۵۵۱} ^{۵۵۲} ^{۵۵۳} ^{۵۵۴} ^{۵۵۵} ^{۵۵۶} ^{۵۵۷} ^{۵۵۸} ^{۵۵۹} ^{۵۶۰} ^{۵۶۱} ^{۵۶۲} ^{۵۶۳} ^{۵۶۴} ^{۵۶۵} ^{۵۶۶} ^{۵۶۷} ^{۵۶۸} ^{۵۶۹} ^{۵۷۰} ^{۵۷۱} ^{۵۷۲} ^{۵۷۳} ^{۵۷۴} ^{۵۷۵} ^{۵۷۶} ^{۵۷۷} ^{۵۷۸} ^{۵۷۹} ^{۵۸۰} ^{۵۸۱} ^{۵۸۲} ^{۵۸۳} ^{۵۸۴} ^{۵۸۵} ^{۵۸۶} ^{۵۸۷} ^{۵۸۸} ^{۵۸۹} ^{۵۹۰} ^{۵۹۱} ^{۵۹۲} ^{۵۹۳} ^{۵۹۴} ^{۵۹۵} ^{۵۹۶} ^{۵۹۷} ^{۵۹۸} ^{۵۹۹} ^{۶۰۰} ^{۶۰۱} ^{۶۰۲} ^{۶۰۳} ^{۶۰۴} ^{۶۰۵} ^{۶۰۶} ^{۶۰۷} ^{۶۰۸} ^{۶۰۹} ^{۶۱۰} ^{۶۱۱} ^{۶۱۲} ^{۶۱۳} ^{۶۱۴} ^{۶۱۵} ^{۶۱۶} ^{۶۱۷} ^{۶۱۸} ^{۶۱۹} ^{۶۲۰} ^{۶۲۱} ^{۶۲۲} ^{۶۲۳} ^{۶۲۴} ^{۶۲۵} ^{۶۲۶} ^{۶۲۷} ^{۶۲۸} ^{۶۲۹} ^{۶۳۰} ^{۶۳۱} ^{۶۳۲} ^{۶۳۳} ^{۶۳۴} ^{۶۳۵} ^{۶۳۶} ^{۶۳۷} ^{۶۳۸} ^{۶۳۹} ^{۶۴۰} ^{۶۴۱} ^{۶۴۲} ^{۶۴۳} ^{۶۴۴} ^{۶۴۵} ^{۶۴۶} ^{۶۴۷} ^{۶۴۸} ^{۶۴۹} ^{۶۵۰} ^{۶۵۱} ^{۶۵۲} ^{۶۵۳} ^{۶۵۴} ^{۶۵۵} ^{۶۵۶} ^{۶۵۷} ^{۶۵۸} ^{۶۵۹} ^{۶۶۰} ^{۶۶۱} ^{۶۶۲} ^{۶۶۳} ^{۶۶۴} ^{۶۶۵} ^{۶۶۶} ^{۶۶۷} ^{۶۶۸} ^{۶۶۹} ^{۶۷۰} ^{۶۷۱} ^{۶۷۲} ^{۶۷۳} ^{۶۷۴} ^{۶۷۵} ^{۶۷۶} ^{۶۷۷} ^{۶۷۸} ^{۶۷۹} ^{۶۸۰} ^{۶۸۱} ^{۶۸۲} ^{۶۸۳} ^{۶۸۴} ^{۶۸۵} ^{۶۸۶} ^{۶۸۷} ^{۶۸۸} ^{۶۸۹} ^{۶۹۰} ^{۶۹۱} ^{۶۹۲} ^{۶۹۳} ^{۶۹۴} ^{۶۹۵} ^{۶۹۶} ^{۶۹۷} ^{۶۹۸} ^{۶۹۹} ^{۷۰۰} ^{۷۰۱} ^{۷۰۲} ^{۷۰۳} ^{۷۰۴} ^{۷۰۵} ^{۷۰۶} ^{۷۰۷} ^{۷۰۸} ^{۷۰۹} ^{۷۱۰} ^{۷۱۱} ^{۷۱۲} ^{۷۱۳} ^{۷۱۴} ^{۷۱۵} ^{۷۱۶} ^{۷۱۷} ^{۷۱۸} ^{۷۱۹} ^{۷۲۰} ^{۷۲۱} ^{۷۲۲} ^{۷۲۳} ^{۷۲۴} ^{۷۲۵} ^{۷۲۶} ^{۷۲۷} ^{۷۲۸} ^{۷۲۹} ^{۷۳۰} ^{۷۳۱} ^{۷۳۲} ^{۷۳۳} ^{۷۳۴} ^{۷۳۵} ^{۷۳۶} ^{۷۳۷} ^{۷۳۸} ^{۷۳۹} ^{۷۴۰} ^{۷۴۱} ^{۷۴۲} ^{۷۴۳} ^{۷۴۴} ^{۷۴۵} ^{۷۴۶} ^{۷۴۷} ^{۷۴۸} ^{۷۴۹} ^{۷۵۰} ^{۷۵۱} ^{۷۵۲} ^{۷۵۳} ^{۷۵۴} ^{۷۵۵} ^{۷۵۶} ^{۷۵۷} ^{۷۵۸} ^{۷۵۹} ^{۷۶۰} ^{۷۶۱} ^{۷۶۲} ^{۷۶۳} ^{۷۶۴} ^{۷۶۵} ^{۷۶۶} ^{۷۶۷} ^{۷۶۸} ^{۷۶۹} ^{۷۷۰} ^{۷۷۱} ^{۷۷۲} ^{۷۷۳} ^{۷۷۴} ^{۷۷۵} ^{۷۷۶} ^{۷۷۷} ^{۷۷۸} ^{۷۷۹} ^{۷۸۰} ^{۷۸۱} ^{۷۸۲} ^{۷۸۳} ^{۷۸۴} ^{۷۸۵} ^{۷۸۶} ^{۷۸۷} ^{۷۸۸} ^{۷۸۹} ^{۷۹۰} ^{۷۹۱} ^{۷۹۲} ^{۷۹۳} ^{۷۹۴} ^{۷۹۵} ^{۷۹۶} ^{۷۹۷} ^{۷۹۸} ^{۷۹۹} ^{۸۰۰} ^{۸۰۱} ^{۸۰۲} ^{۸۰۳} ^{۸۰۴} ^{۸۰۵} ^{۸۰۶} ^{۸۰۷} ^{۸۰۸} ^{۸۰۹} ^{۸۱۰} ^{۸۱۱} ^{۸۱۲} ^{۸۱۳} ^{۸۱۴} ^{۸۱۵} ^{۸۱۶} ^{۸۱۷} ^{۸۱۸} ^{۸۱۹} ^{۸۲۰} ^{۸۲۱} ^{۸۲۲} ^{۸۲۳} ^{۸۲۴} ^{۸۲۵} ^{۸۲۶} ^{۸۲۷} ^{۸۲۸} ^{۸۲۹} ^{۸۳۰} ^{۸۳۱} ^{۸۳۲} ^{۸۳۳} ^{۸۳۴} ^{۸۳۵} ^{۸۳۶} ^{۸۳۷} ^{۸۳۸} ^{۸۳۹} ^{۸۴۰} ^{۸۴۱} ^{۸۴۲} ^{۸۴۳} ^{۸۴۴} ^{۸۴۵} ^{۸۴۶} ^{۸۴۷} ^{۸۴۸} ^{۸۴۹} ^{۸۵۰} ^{۸۵۱} ^{۸۵۲} ^{۸۵۳} ^{۸۵۴} ^{۸۵۵} ^{۸۵۶} ^{۸۵۷} ^{۸۵۸} ^{۸۵۹} ^{۸۶۰} ^{۸۶۱} ^{۸۶۲} ^{۸۶۳} ^{۸۶۴} ^{۸۶۵} ^{۸۶۶} ^{۸۶۷} ^{۸۶۸} ^{۸۶۹} ^{۸۷۰} ^{۸۷۱} ^{۸۷۲} ^{۸۷۳} ^{۸۷۴} ^{۸۷۵} ^{۸۷۶} ^{۸۷۷} ^{۸۷۸} ^{۸۷۹} ^{۸۸۰} ^{۸۸۱} ^{۸۸۲} ^{۸۸۳} ^{۸۸۴} ^{۸۸۵} ^{۸۸۶} ^{۸۸۷} ^{۸۸۸} ^{۸۸۹} ^{۸۹۰} ^{۸۹۱} ^{۸۹۲} ^{۸۹۳} ^{۸۹۴} ^{۸۹۵} ^{۸۹۶} ^{۸۹۷} ^{۸۹۸} ^{۸۹۹} ^{۹۰۰} ^{۹۰۱} ^{۹۰۲} ^{۹۰۳} ^{۹۰۴} ^{۹۰۵} ^{۹۰۶} ^{۹۰۷} ^{۹۰۸} ^{۹۰۹} ^{۹۱۰} ^{۹۱۱} ^{۹۱۲} ^{۹۱۳} ^{۹۱۴} ^{۹۱۵} ^{۹۱۶} ^{۹۱۷} ^{۹۱۸} ^{۹۱۹} ^{۹۲۰} ^{۹۲۱} ^{۹۲۲} ^{۹۲۳} ^{۹۲۴} ^{۹۲۵} ^{۹۲۶} ^{۹۲۷} ^{۹۲۸} ^{۹۲۹} ^{۹۳۰} ^{۹۳۱} ^{۹۳۲} ^{۹۳۳} ^{۹۳۴} ^{۹۳۵} ^{۹۳۶} ^{۹۳۷} ^{۹۳۸} ^{۹۳۹} ^{۹۴۰} ^{۹۴۱} ^{۹۴۲} ^{۹۴۳} ^{۹۴۴} ^{۹۴۵} ^{۹۴۶} ^{۹۴۷} ^{۹۴۸} ^{۹۴۹} ^{۹۵۰} ^{۹۵۱} ^{۹۵۲} ^{۹۵۳} ^{۹۵۴} ^{۹۵۵} ^{۹۵۶} ^{۹۵۷} ^{۹۵۸} ^{۹۵۹} ^{۹۶۰} ^{۹۶۱} ^{۹۶۲} ^{۹۶۳} ^{۹۶۴} ^{۹۶۵} ^{۹۶۶} ^{۹۶۷} ^{۹۶۸} ^{۹۶۹} ^{۹۷۰} ^{۹۷۱} ^{۹۷۲} ^{۹۷۳} ^{۹۷۴} ^{۹۷۵} ^{۹۷۶} ^{۹۷۷} ^{۹۷۸} ^{۹۷۹} ^{۹۸۰} ^{۹۸۱} ^{۹۸۲</}

المصنف صححه في ادب المقال اه و في
 البهركما مرقدنا انت الكلفاء يقول الامام
 اه وقال شب قوله وهو الاصح مقابله
 ما يأتي من الحاوي وما في جامع الفصولين
 من انه لو معه احد صاحبيه اخذ بقوله
 وان خالفه قيل كذا وكذا وقيل ينخير الا
 فيما كانت الاختلاف بحسب تغير الزمان
 كالحكم بظواهر العدالة وفيما اجمع المتأخرون
 عليه كالنزام حقه والمعاصلة فيختار قولهما
 اه و في صدر الدر الاصح كما في السراجية
 وغيرهما انه يفتي بقول الامام علي الاطلاق
 وصححه في الحاوي القدسي قوة المعتبر
 اه قال ط قوله والاصح مقابله قوله بعد
 وصححه في الحاوي اه وقال شب بعد نقل
 عبارة السراجية مقابل الاصح غير هذا كما
 في كلام الشارح فافهم اه يريد به
 التقسيع على ط -

قول زیادہ مضبوط ہے اور جب مجتہد نہ ہو تو اختیار نہیں ہے
 اور ط کے شروع میں وہی ہے جو مصنف نے ذکر
 کیا ہے اس کو ابد المتالی میں صحیح قرار دیا ہے اور
 اور بحر میں ہے کہ علمائے تصحیح کی ہے کہ فتویٰ امام کے قول
 پر ہوگا اور "ش" نے کہا کہ وہی اصح ہے، اس کے
 مقابل حاوی اور جامع الفصولین کی یہ عبارت ہے کہ اگر امام کے ساتھ
 ایک کوئی ایک صاحب ہے تو امام کے قول پر فتویٰ دیا جائیگا، اگر
 دو قول ان کے مخالف ہوں تو ایک قول کے مطابق
 یہی عمل ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ مفتی کو اختیار ہوگا
 صرف ان معاملات میں ایسا نہ ہوگا جن میں زمانہ کے
 تغیرات کے باعث تغیر آیا ہو، مثلاً یہ کہ گواہ کی ظاہری
 عدالت پر فیصلہ دینا یا دو معاملات جن پر متاخرین نے
 اجماع کیا ہو جیسے مزارعہ اور معاوضہ۔ اس صورت میں
 صاحبین کا قول مختار ہوگا اور دوسرے شروع میں ہے
 کہ جیسا کہ سر اجید وغیرہ میں کہ اصح یہ ہے کہ علی الاطلاق امام کے
 قول پر فتویٰ دیا جائے گا اور حاوی قدسی نے قویٰ دلیل
 ترجیح دی ہے اور ط نے فرمایا کہ ان کا قول "اصح"

بعد میں آنے والے قول صحیح فی الحاوی کے مقابل ہے اور "ش" نے سر اجید کا قول نقل کرنے کے بعد فرمایا
 کہ اصح کا مقابل شارح کے کلام میں موجود نہیں فافهم اور ط پر تعریفی ہے۔

۲۶۹/۶	بحر الرائق فصل بجز تعلید میں مشاء سعید کمپن کراچی
۳۳۶/۳	رد المحتار کتاب القضاء مصطفیٰ البانی مصر
۱۴/۱	رد المحتار رسم المفتی مجتہد فی دہلی
۴۹/۱	رد المحتار علی رد المحتار رسم المفتی بیروت
۵۲/۱	رد المحتار علی رد المحتار مصطفیٰ البانی مصر

اقول ہینا امور کا یہ ہے التنبہ
 لها فاذا لا اقصم الدر ذکر التصحیحین
 قبل قول المصنف ولا یخیر الم فاوہم
 الاطلاق فی الحکم الاول حتی قال ط قوله
 صحیح فی العادی مقابل الاطلاق الذی
 فی المصنف اھم ان صریح نص المصنف
 تقییدہ بما اذا لم یکن مجتہدا وثانیا
 ما صححہ فی العادی عین ما صححہ فی
 السراجیۃ والمنية وادب المقال وغیرہا
 وانما الفرق فی التعبير فہم قالوا الاصح
 ان المقلد لا یتخیر بل یتبع قول الاصاح
 وهو قال الاصح ان المجتہد یتخیر لای
 قوۃ الدلیل انما یعر فیہا ہو فیستجیل ان یكون
 مقابل الاصح ما صححہ فی العادی بل
 مقابلہ التخییر مطلقا اذا خالفنا ما کما
 ہو مفاد اطلاق القیل المذكور فی السراجیۃ
 والتقیید بقول الاصاح مطلقا وان خالفنا
 والمفتی مجتہد کما ہو مفاد اطلاق
 ما صدر بہ فیہا فلا وجہ لتزییح الاول علیہ
 بانہ اضبط وقد قال ح ط ش فی التوفیق بین
 ما فی السراجیۃ والعادی ان منہ کان لہ قوۃ
 اور ان قوۃ الصدک یفتی بالمقول الحق
 الصدک والاقال توثیق اھ قال شی یدل
 لہ عطادی علی الدر المختار کتاب القضاء بیروت
 لہ عطادی علی الدر المختار دسم المفتی بیروت

میں کہتا ہوں یہاں چند امور پر تنبیہ کرنا ضروری
 ہے، اول در نے مصنف کے قول ولا یخیر سے پہلے
 دونوں تصحیروں کا ذکر کیا ہے الم اس سے وہم پیدا ہوتا
 ہے کہ وہ علی الاطلاق حکم لگا رہے ہیں، یہاں تک کہ
 ط نے فرمایا کہ ان کا قول صحیح فی العادی
 مصنف کے اطلاق کے مقابل ہے اور حالانکہ مصنف
 نے اس کو مجتہد نہ ہونے کے ساتھ توثیق کیا ہے۔

دوم جو تصحیح عادی میں ہے بعینہ وہ سراجیہ،

غیرہ اور ادب المقال وغیرہ میں ہے اور فرق محض
 تعبیر کا ہے ان سب نے فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ مقلد کو
 اختیار نہیں ہے بلکہ اس پر امام کے قول کی پیروی لازم ہے
 اور انہوں نے فرمایا اصح یہ ہے کہ مجتہد کو اختیار ہے کیونکہ
 وہ دلیل کی قوۃ کو جانتا ہے، تو یہ محال ہے کہ جس چیز کو
 عادی میں صحیح کہا ہے وہ اصح کے مقابل ہو، بلکہ اس
 کا مقابل تخییر ہے مطلقا جبکہ صاحبین امام کی مخالفت
 کریں جیسا کہ وہ اس قیل کا مفاد ہے جو سراجیہ میں ہے
 اور امام کے قول کی پیروی کو لازم قرار دینا مطلقا غلط
 صاحبین ان کی مخالفت کریں اور مفتی مجتہد ہو جیسا کہ
 مفاد ہے ان کے اطلاق کا جو اس کی ابتدا میں تو
 پہلی کی ترجیح کی کوئی وجہ نہیں کہ وہ زیادہ مضبوط ہے
 اور ح ط ش نے سراجیہ اور عادی میں تطبیق دیتے
 ہوئے فرمایا کہ جس کو دلیل کی قوۃ پہنچنے کی طاقت
 ہو تو وہ قوت دلیل کے اعتبار سے فتویٰ دے گا

ورنہ ترتیب کے بغیر نظر کیے گا اور شش نے فرمایا اس پر سرسریہ کا قول دلائل کرتا ہے اور اول اصح ہے بلکہ مفتی مجتہد نہ ہوا

میں کتابوں تعمیر کا فرق خلافت نہیں ہوتا تاکہ توفیق کی جلتے، غلابصرہ کران کے درمیان مقابلہ کا وہم تعجب خیر امر ہے اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ علامہ شش اس پر کتاب کے شروع میں قریب ہو گئے ہیں، پچیسہ کتاب القضاء میں اسی ہی جگہ ہو گئے ہیں کی تسبیح جو بھولتا نہیں۔ سوہ اسی طرح اس کے مقابل وہ بھی نہیں جو جامع الفصولین میں ہے کیونکہ وہ بعینہ وہ ہے جو خانیہ میں اس کو ”خ“ کے رمز کے ساتھ ذکر کیا ہے اس میں اختیار کو اس امر سے معید رکھا ہے کہ مفتی مجتہد ہو تو سب ہی نے ایک مرقف اختیار کیا اور وہم اس اختصار سے پیدا ہوا جو نقل میں ہے، ان کی عبارت یہ ہے کہ اگر امام صاحب کے ساتھ ان کے صاحبین میں سے کوئی ایک ہو تو ان دونوں کے قول پر فتویٰ ملے گا، اور اگر امام صاحب سے ان کے صاحبین مخالفت کریں تو اگر یہ اختلاف اختلاف زیادہ کے باعث تو صاحبین کا قول اختیار کیا جائیگا اور مزارعہ اور معارضین صاحبین کا قول اختیار کیا جائے گا۔ کیونکہ اس پر متاخرین کا اجماع ہے، اور اس کے علاوہ دوسری صورتوں میں ایک قول ہے

علیہ قول السراجیۃ والاول اصح اذ الفہم
یکن المفتی مجتہدا

اقول فرق التبعیر لایکون خلافا حنی
یوفی وبالجملة فتوہو المقابلة بینہما الجنب
واجب منہ انت العلامة شش تنبیہ لہ
صدور کتاب اور وقع فیہ فی کتاب القضاء
فیہ من لا ینسی وثا لثا کذلک لا
یقابلہ مافی جامع الفصولین فانہ عین
ما فی الخانیۃ وانما نقلہ عنہا برمز خ و
فیہ تنقید التخصیص بالمجتہد فالکل وردوا
موردوا احدکوا ثانیثو التوہم لاقتصاد وقع فی
النقل عنہ فان نصہ لومع ح رضی اللہ
تعالی عنہ احد صاحبہ یاخذ بقولہما
ولو خالف ح صاحبہ فلو کانت اختلا فہم
بحسب الزمان یاخذ بقول صاحبہ وفق
الضارعة والمعاملة یختار قولہما لاجاح
التاخرین و فیما عدا ذلک قیل یحییو المجتہد
وقیل یاخذ بقول ح رضی اللہ تعالی عنہ
فانکشف الشبهة ورأیہا اہم من العمل
دفع ما اوہمہ جاسرۃ الدی من ان تصحیح
العاوی اعتبار بقوة المدرک مطلق لاقتصار
من نصہ علی فصل واحد ولیس کذلک

لہ رد المحتار رسم المفتی الیابی مصر
کے جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء ۱۵

فقہ النجاشی القدری متی کان قول ابی یوسف
ومحمد موافق قوله لا یتعدی عنہ الا
لیما مست الیہ الضرورة وحلوانہ لوکانت
ابو حنیفة رأی ما رأوا الا فتی بہ وکذا اذا
کان احد هما معہ فاکت خافاه فی الظاهر قال
بعض المشایخ یاخذ بظاهر قوله وقال
بعضهم المفتی مخیر بینهما ان شاء مفتی
بظاهر قوله وان شاء مفتی بظاهر قوله
الاصل ان العبرة بقوة الدلیل ^{العلم} فہذا انما
تروی عین ما فی الخاتمة لا یخالفها فی شئ
فقد الزم اتباع قول الاصا ما اذا وافق
صاحبہ وکذا اذا وافقہ احد ہما انما جعل
الاصح العبرة بقوة الدلیل اذا خالفنا
مما لا مطلقا کما اوضحہ الدرو معلوم ان
معرفة قوة الدلیل وضعفہ خاص باهل
النظر فوافق تقدم الخاتمة تخیر المجتہد
لانہ انما یقدم الظہر لا شہر وقد علمت
ان لا خلعت فاحفظ هذا کما لا تنزل فی غیرہ
مراد لا یحدث ینقلون عنہ القطعة الاخیرة
فقط ان العبرة بقوة الدلیل فظن محمد
للمصور وانما هو فی ما اذا خالفنا معاہداتنا

کہ عہدہ کو اختیار ہوگا اور ایک قول ہے کہ ابو حنیفہ کے قول
کو اختیار کیا جائے گا اس طرح مشہور ہوگا
چہاں سب اہم اس وجہ کو رفع کر لیتے جو در کی حیات سے
پیدا ہوتا ہے کہ حاوی نے قوت مدرک کا اعتبار کو علی الاطلاق
صحیح قرار دیا ہے کیونکہ قوت حاوی کی اتنی ہی بات ذکر کی ہے تاکہ ایسا
نہیں ہے، حاوی القدری میں ہے کہ جب صاحبین کا
قول امام صاحب کے قول کے مطابق ہو تو بلا ضرورت
اس سے عدول کرنا جائز نہیں، یا وہ اس نوعیت کا
معاہدہ ہو جس میں یہ خیال پیدا ہوتا ہو کہ اگر امام صاحب
وہ چیز دیکھ لیتے ہوں ان حضرات نے دیکھی ہے تو میری فیصلہ
کرتے ہوں ان حضرات نے کیا ہے، یہی حکم اس وقت
بھی ہے جب صاحبین میں سے کوئی ایک ان حکمانہ
ہو اور اگر وہ ظاہر روایت میں امام صاحب کے مخالف
ہوں تو بعض مشایخ نے فرمایا ابو حنیفہ کے قول کے ظاہر کو
لیا جائے گا اور بعض نے فرمایا مفتی کو وہ دونوں میں اختیار
ہے اگرچہ امام ابو حنیفہ کے ظاہر قول پر فتویٰ ہے
اور اگرچہ ہے تو صاحبین کے قول کے ظاہر پر فتویٰ ہے
اور اس پر ہے کہ اعتبار دلیل کی قوت کا ہے اور یہ بعینہ
وہ چیز ہے جو غائبہ میں ہے کیونکہ اس میں یہی کیا گیا ہے
کہ جب امام صاحب اور صاحبین کسی معاہدہ پر متفق ہوں
یا ایک صاحب امام صاحب سے متفق ہوں تو امام صاحب
کے قول ہی کا اتنا لازم ہے اور قوت دلیل کے مطابق فیصلہ کو

چار جگہ میں ظاہر سے مراد ظاہر الروایۃ ہے ۱۲ مرت

(ت)

عنہ المراد بالظاہر فی المواضع الایم بعبۃ

مراد ظاہر الروایۃ ۱۲ عنہ (۲)

شرح رسالہ مفقود رسم المفتی من رسالہ کل این عابدین

سمیل اکیڈمی لاہور ۲۶/۱

اسی وقت قرار دیا ہے جب صاحبین امام صاحب کے خلاف ہوں، مطلقاً نہیں ہے، جیسا کہ دُر سے وہیم پیدا ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ دلیل کی قوت و ضمت کا مسلم تو اہل نظر ہی کو ہو سکتا ہے، گویا یہ قول خانیہ کے مجتہد اختیار کرنے کے مطابق ہے کیونکہ وہ اعلیٰ و اشہر کے مقتضی کرتے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں، اس کو اچھی طرح یاد کر لیجئے کہ لوگ عام طور پر ان کی عبارت کا آخری ٹکڑا نقل کر لیتے ہیں یعنی یہ کہ اعتبار قوت دلیل کا ہے، اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ حکم عام ہے، حالانکہ یہ حکم صرف اس صورت کے ساتھ محقق ہے جب صاحبین امام صاحب کے مخالف ہوں اس کی مثال یہاں یہ ہے کہ ”ش“ نے جامع النضرین کا کلام نقل کیا اور دُر نے عادی کا کلام نقل کیا، اور

ما وقع ههنا في نقل ش كلام جامع النضرين
ونقل المدرك كلام الحادوي وما وقع فيهما من
الاقتضار المضل يتعين انه ينبغي مراجعة
المنقول عنه اذا وجد قريباً ظهر شئ كالـ
يظهر مما نقلوا ان كانت التقلد ثقات معتكدة
فاحفظ وقد قال في شرح العقود بعد نقله
ما في الحادوي الحاصل انه اذا اتفق ابر حنفية
وصاحباه على جواب لم يجز الفدول حنه
الا لضرورة وكذا اذا وافقه احدهما واما
اذا اختلف عنهما بجواب دخل الغاء فيه فان
الفرد صحت منها بجواب ايضا ياتى لم
يتفعل على شئ واحد فالظاهر ترجيح قوله

ان دون كسب میں جو اختصار ہے وہ سمجھنے میں نکل ہے، اس میں لازم ہے کہ منقول عند کی طرف مراجعت کی جائے اسی صورت میں بعض ایسی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں جو پہلے نہ تھیں خواہ نقل کرنے والے کتنے ہی ثقہ اور معتد کیوں نہ ہوں اس کو یاد کر لیجئے عادی کی عبارت نقل کرنے کے بعد شارح نے شرح عقود میں فرمایا: اور حاصل یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ پر ابر حنفیہ اور ان کے صاحبین متفق ہو جائیں تو بلا ضرورت قول امام سے عدول روا نہیں، اور یہی حال ہے جب کوئی ایک صاحب ابر حنفیہ کے ہمراہ ہوں اور جب صاحبین ابر حنفیہ کے مخالف ہوں یا ہر ایک کا جواب الگ الگ ہو تو بھی ظاہر یہی ہے کہ ترجیح قول امام کو ہوگی۔

میں کتنا ہوں یہ نکتہ ان کے نفیس نکات میں سے ایک ہے، اور جیسا کہ انہوں نے فرمایا ہے حق یہی ہے، خانیہ نے کہا ہے کہ صاحبین کے قول کو اختیار کیا جائے اور سراجیہ وغیرہ کا قول کہ ان کے صاحبین دوسری طرف ہوں، اور فرمایا کہ جب صاحبین ابر حنفیہ

اقول وهذه نفيسة اذا دها وكه
له من فوائد اجادها والا موكما قال لقول
الخانية ياخذ بقول صاحبیه وقولها
ينحصر قولها وقول السراجية وغيرها و
صاحبها في جانب قال واما اذا خالفها واتفقا

کے مخالف ہوں اور خود دونوں میں اتفاق ہو یعنی ابو حنیفہ ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف ہوں تو ایک قول تو یہ ہے کہ امام صاحب کا قول رائج ہوگا یہ عبد اللہ بن مبارک کا قول ہے، ایک قول یہ ہے کہ مفتی کو اختیار ہے اور یہ سراسر اجتہاد کا قول ہے کہ اول اصح ہے جبکہ مفتی مجتہد نہ ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے قول کو مختار کر سکتے ہیں اگر مفتی مجتہد ہو اور ان کی تفسیر کے معنی یہ ہیں کہ دلیل میں غور کیا جائے گا اور جو ظاہر ہو اس کے مطابق فتویٰ دے اور اس پر لازم نہیں کہ قول امام پر فتویٰ دے عادی میں بھی اسی کی تصریح کی ہے اور فرمایا ہے کہ اصح یہ ہے کہ اعتبار قوت دلیل کا ہے، کیونکہ قوت دلیل کا اعتبار تو وہی مجتہد کر سکتا ہے جو مفتی ہو، تو وہ صورت جس میں امام صاحب سے ان کے صاحبین مخالفت کریں تین اقوال ہیں، ایک تو یہ کہ امام کے قول کی پیروی ہوگی بلا تخییر۔ دوسرے مطلقاً تخییر اور تیسرے یہ کہ مجتہد اور غیر مجتہد میں تفصیل ہے اور سہی اصح ہے، اور جیسا کہ آئے گا قاضی خان نے اکل پر جزم کیا ہے، اور ہر ظاہر یہ دونوں قولوں میں قطعی کی ایک شکل ہے کہ امام کے قول کی پیروی وہ مفتی کرے گا جو مجتہد نہ ہو اور تخییر کی صورت اس مفتی کے لیے ہے جو مجتہد ہو اور پھر فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے ساتھ جب کوئی صاحب برافتت کرے تو امام کے قول کی متابعت کرنے میں کوئی مخالفت نہیں اور

على جواب واحد حتى صار هو في جانب وهما في جانب فقيل يترجح قوله ايضا وهذا قول الامام معبد الله بن المبارك وقيل يتخير المفتي وقول السراجية والاول اصح اذا لم يكن المفتي مجتهدا يفسد اختيار القول الثاني ان كان المفتي مجتهدا ومعنى تخيريه انه ينظر في الدليل فيقتضي بما يظهر له ولا يتعين عليه قول الامام وهذا الذي صرحه في العاوي ايضا بقوله والاصح ان المعبر لقوة الدليل لان اعتبار قوة الدليل شأن المفتي المجتهد فصار فيما اذا خالفه صاحباه ثلاثة اقوال الاول اتباع قول الامام بلا تخير الثاني التخيير مطلقا الثالث وهو الاصح التفصيل بين المجتهد وغيره وبه جزم قاضي خان كما يأتي والظاهر ان هذا توافق بين القولين بحمل القول با اتباع قول الامام على المفتي الذي هو غير مجتهد وحمل القول بالتخيير على المفتي المجتهد اه ثم قال وقد علم من هذا انه لا خلاف في الاخذ بقول الامام اذا وافقه احد هما ولذا قال الامام قاضي خان وان كانت المسئلة مختلفا فيها بين اصحابنا الى آخر

ما قد منعنا فقد اعتوت من حممه الله
تعالى بالصواب في جميع تلك الايواب
غير انه استدل ذلك على هذا الفصل الاخير
بقوله لكن قد منات ما قتل عن الامام
من قوله اذا صحح الحديث فهو مذهبي
محمول على ما لم يخرج عن معت الصواب
بالطية كما ظهر لنا من التفسير السابق
ومتقننا به جواز اتباع الدليل وانما
خالفت ما وافقه عليه احد صاحبين
ولمذا قال في البحر تحت التماسر خائفة
اذا كان الامام في جانب واما في جانب
خير المفتي وان كان احد هما مع الامام
اخذ بقوله الا اذا اصطلاح المشايخ على
القول الاخر في تبينه كما اختار الفقيه
ابو الليث قول من فرق مسائل انتهى وقال
في رسالته السماعا رفع الغشاء في وقت
العصر والعشاء لا يرجح قول صاحبيه او
احد هما على قوله الا لموجب وهو اما
ضعف دليل الامام واما للضرورة والتعامل
كترجيح قولهما في المزارعة والمعاملة
واما لان خلا فهماله بسبب اختلاف العصر
والزمان وانه لو شاهد ما وقع في عصرهما
وافقهما كعدم القضاء بظاهر العدالة و

اسی لیے امام قاضی خان سے فرمایا اگر مسئلہ ہمارے
اصحاب کے درمیان مختلف فیر ہو انی اخر ما قد منعنا
انہوں نے ان تمام الاباب میں صواب کا احترام کیا
البتہ انہوں نے کسی آخری فصل میں بطور استدراک
فرمایا لیکن ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ امام کا قول "جب
حدیث ثابت ہو جائے تو وہ میرا مذہب ہے" اس پر
محمول ہے کہ جب مذہب سے بالکل خارج نہ ہو ،
جیسا کہ ہمارے لیے سابقہ تقریر سے ظاہر ہوا ہے ،
اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ دلیل کی پیروی کا بواز ہے
اگرچہ امام صاحب اور ان کے کسی صاحب کے مشترک
موقف کے مخالفت دلیل پائی جائے ، اور اسی لیے بکھرنے
تساخانیہ سے فرمایا کہ جب امام صاحب ایک طرف ہو
اور صاحبین دوسری طرف تو مفتی کو اختیار ہے اور
اگر صاحبین میں سے کوئی امام کے ساتھ ہو تو ان
دونوں کے قول کو لیا جائے۔ ہاں اگر مشایخ نے طے کر لیا
ہو کہ دوسرے قول کو لیں گے تو ان کی اتباع کرنی چاہیے
جیسے فقیر ابو الیث نے کئی مسائل میں زفر کے قول کو
اختیار کیا ہے انتہی ، اور انہوں نے اپنے رسالہ
"رفع الغشاء في وقت العصر والعشاء" میں فرمایا
ابو حنیفہ کے قول پر ان کے صاحبین کے قول کو یا کسی
ایک کے قول کو ترجیح نہیں دی جائے گی تاہم فقیر اس کا
کوئی موجب نہ ہو ، اور وہ یا تو امام کی دلیل کا ضعف
ہو سکتا ہے یا تعامل اور ضرورت جیسے صاحبین کا قول مزارعت

کی حرمت کا اطلاق کیا ہے تو کلام اس صورت کے ساتھ کیے محقق ہوگا جبکہ امام صاحب کے ساتھ کوئی ایک صاحب موافقت کرے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب صاحبین ابو حنیفہ کی موافقت میں ہوں تو ہمارے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مجتہد فی المذہب کو ان کی مخالفت جائز نہیں اسس اجتہاد کے باعث مذکورہ دونوں اقوال کا مضموم یہ نکلے گا کہ جب کوئی ایک صاحب ابو حنیفہ کے مخالف ہو۔ میں کہتا ہوں اسی طرح ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں کہ جب امام صاحب کے ساتھ کوئی ایک صاحب ہوں، جیسا کہ تم نے فرمایا اس کا اقرار کیا ہے، تو میرے نزدیک اس کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ اس صورت میں مجتہد کو روکنے کا مطلب یہ ہے کہ مقلد کو یہ بھی وفاقی صورت میں ہے، یہ اس صورت کے خلاف ہے جس میں صاحبین امام صاحب کی مخالفت کریں کیونکہ اس میں یہ اعتراض ہے کہ تخیر عام ہے جیسا کہ گزرا، تو کسی مزیج کی پیروی کرنا جیسے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہو اوئی ہے، اور اسی طرف محقق کے قول میں ترجیح پائی جاتی ہے انہوں نے آئین بالجہر کے مسئلہ میں اطلاق رکھا ہے، اور فرمایا ہے کہ اگر میرے بس میں کچھ برتا تو میں قضیت کی یہ صورت نکالتا کہ شخص کی روایت سے یہ مراد ہے کہ بہت زور دار آواز نہ نکالی جائے اور ہر کی روایت کا یہ مطلب ہے کہ آواز خفی یا اس سے کم ہو الا پنا نچہ جو ان پر ظاہر

فان قلت اذا اذاعوا فلا خلاف عندنا ان المجتہد فی مذہبہم لا یسعه مخالفتہم فلاجل هذا الاجماع یخص المجتہد بما اذا خالفہ اخذہما قللت کذا لا خلاف فیہ عندنا اذا کان معہ احد صاحبینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کما اعترفتم بہ بتصریحہما قالوا لا عندہما ان معنی نہیں المجتہد عنہ تعالیٰ المقلد ان یتبعہ فیہ نہیاً وفاقاً بخلاف ما اذا خالفہا فان فیہ قیلاً ان التخییر عام کما سبق فلا ینبغ مرجعاً مرجع قولہما اولیٰ و فیما یلزم الیہ قول المحقق خیر فی اطلاق فی مسألة الجہرات ان لوکات الی فی هذا شئ لوفقت بان رواية الغفصیر مراد بها عدم البقرع العین و رواية الجہر یعنی قولہا فی نیر الصوت وذیلہ الخ فہم یجتہد عن ابداء ما عنہ و علم انہ لا یتبع علیہ فقال لوکان الی شئ واللہ تعالیٰ اعلم ومجئ النہی علی هذا الاسلوب خیر مستنکر ان یتوجہ الی احد و المقصود یہ غیرہ قال تعالیٰ فلا یصلدک عنہا من لا یؤمن بہا وقال عزوجل ولا یستغضیک الذین

لہ الخ القدر بحث آئین بالجہر یا الخفاء توجیہ رضویہ سکھ ۲۵۴/۱

لہ القرآن ۱۶/۲۰

لَا يُقْبَلُ مَا لَا يُقْبَلُ صَدَقَ وَلَا تَفْعَلُ بِتَغْفُلٍ
 وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ هَذَا فِي كِتَابِ التَّجْنِيسِ
 وَالْمَرْيَدِ لِلْإِمَامِ الْأَجَلِ صَاحِبِ الْجَهْدِ ثُمَّ
 طَمَنَ أَوْقَاتُ الصَّلَاةِ الْوَاجِبِ عِنْدِي أَمَّا
 يَفْتِي بِقَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ عَلَى حَالِ آهٍ وَ
 فِي طَمَنٍ قَدْ تَعَقَّبَ نَوْحَ أَفَنْدِي مَا ذَكَرَ
 فِي الدَّارِ مِنْ أَنَّ الْقَتَوِيَّ عَلَى قَوْلِهِمَا دَرَايَ سَفَ
 الْشَّقِّ) بَلَّغَهُ لَا يَجُوزُ الْأَعْتَادُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُمَا
 لَا يَرْجِعُ قَوْلُهُمَا عَلَى قَوْلِهِ الْأَلْمُوجِبِ مَتَّ
 ضَعُفَ دَلِيلُ أَوْضَرَّةٍ أَوْ تَعَامُلِ أَوْ اخْتِلَافِ
 نَرْمَانِ آهٍ وَهُوَ مَرْدُودُ الْحَقِّ حَيْثُ أَطْلَقَ
 عَلَى الْمَشَايِخِ فَتَوَلَّاهُمْ بِقَوْلِهِمَا فِي مَوَاضِعَ
 مِنْ كِتَابِهِ وَالْهَاقِ لَا يَصْدُرُ عَنْ قَوْلِهِ الْكَ
 لْفُضْعُ دَلِيلُهُ آهٍ وَقَدْ نَقَلَهُ شَيْخُ الْإِسْلَامِ
 كَالْبَحْرِ -

وہ انہوں نے بیان کر دیا، مگر ان کو معلوم تھا کہ ان کی
 یہ بات کوئی نہیں مانے گا، اس لیے فرمایا اگر میرے
 بس میں ہوتا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور اس انداز میں
 نہیں کا آنا معیوب نہیں کہ کسی کی طرف متوجہ ہو، اور
 مقصود کوئی اور ہو، فرمان الہی ہے تجھ کو اُس سے
 باز نہ رکھ جو اُن پر ایمان نہیں لاتے، نیز آپ کے
 ساتھ مذاق نہ کریں وہ جو یقین نہیں رکھتے، یعنی آپ
 ان کے اعراض کرنے کو قبول نہ کریں اور آپ ان کے
 استغناء سے شرمندہ نہ ہوں، واللہ تعالیٰ اعلم۔
 اور صاحب ہدایہ کی کتاب التجنیس والزیید میں اور
 ط کے اوقات الصلوۃ میں ہے کہ میرے نزدیک
 ہر حال میں واجب ہے کہ قوی قول الہی منہ رجحان پر رہا جائے۔
 اور ط میں ہے نوح افندی نے اس کا تعاقب
 کیا ہے جو درمیں ہے کہ قوی صاحبین کے قول
 پر ہے (یعنی شفق کے مسئلہ میں) انہوں نے فرمایا
 ہے کہ اس پر اعتقاد جائز نہیں کیونکہ صاحبین کے قول کو امام صاحب کے قول پر ترجیح نہیں دی جائے گی، ہاں
 اگر دلیل کمزور ہو یا ضرورت ہو یا تعامل ہو یا زمانہ کا اختلاف ہو اور محقق نے جو رد کیا ہے وہ گزر چکا ہے کہ مشایخ
 نے بعض مقامات پر صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے نیز فرمایا کہ امام صاحب کے قول سے اُسی وقت عدول
 کیا جائے گا جب ان کی دلیل ضعیف ہو اور "ش" نے اس کو ذکر کر کے برقرار رکھا جیسے بحر نے۔
 میں کہتا ہوں جیسا تو نے جانا اس کے علاوہ

اقول ولعلیٰ شئ ما سواہ لما علمت

لہ القرآن ۶۰/۳۰

سے عطاوی علی الدر اختلاف فی وقت المغرب بیروت ۱/۱۵۵

سے ایضاً ۱/۱۵۵

سے عقود رسم المصنوع من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲۲/۱

ان ذلک عین العمل بقول الامام لاحد ول
 عنه فمن استثنى ما كالخاتية والتصحيح
 وجامع الفصولین والمجر والحدوس فم
 النشاء ونوح وغيرهم نظروا الى الصورت
 من ترك نظروا الى المعنى فان استثنى ضبعت
 الدلیل كالمحقق فظنوا ان المجتهد وان
 لم يستثن شيئاً كالا امام صاحب الهداية
 والامام الاقدم عبد الله بن المبارك فقله
 ما شب من اس سأل في حق المقلد فظهد
 والله الحمد ان الكل انما يرون عن قوس
 واحدة ويرومون جميعاً ان المقلد ليس
 له الا اتباع الامام في قوله الصورت ان
 لم يخالفه قوله الضرورى والا ففى الضرورى
 وفي شرح العقودس آیت في بعض كتب
 المتأخرين نقلوا عن ايضا الاستدلال على
 ابطال الاستبدال لقاضى القضاة شمس الدين
 الحريرى احد شرح الهداية ان قصد الدين
 سليم قال ان هذه الفتاوى هي اختيارات
 المشايخ فلا تعارض كتب المذهب قال وكذا
 كان يقرى غيره من مشايخنا وبه اقول
 وتقد صر قول الخيرية ثم ش المقرر عندنا
 انه لا يفتى ولا يعمل الا بقول الامام الاعظم
 الا لضرورة وان صور المشايخ ان القوي

کسی اور چیز کا انہوں نے استثناء نہیں کیا، اور یہ
 تو امام کے قول پر ہی عمل کی ایک صورت ہے نہ کہ اس
 سے خروج، تو جن حضرات نے اس کا استثناء کیا
 جیسے غائبہ اور تصحیح، جامع الفصولین، بحر، نیز، رطب
 الغشاء اور نوح وغیرہم نے صورت کو دیکھا اور جن نے
 چھوڑا اس نے معنی کو دیکھا، تو اگر ضعف دلیل کا
 استثناء کیا جائیگا جیسے محقق نے کیا ہے تو یہ مجتہد کے
 اعتبار سے ہے، اور اگر کسی چیز کا استثناء نہ کیا جیسے
 امام صاحب ہدایہ اور امام عبد اللہ بن مبارک،
 تو ان کا کلام اپنے اطلاق پر دے سکتا ہے مقلد کے حق میں اس
 پر امر کجا اللہ واضح ہو گیا کہ مقلد کے لیے صرف ایک
 ہی راہ ہے کہ وہ امام صاحب کے قول ضروری کی
 پیروی کرے جبکہ وہ ان کے قول ضروری کے مخالف
 نہ ہو، ورنہ قول ضروری کی پیروی کرے۔ شرح عقود
 میں ہے کہ میں نے متاخرین میں سے کسی کی کتاب میں
 دیکھا ہے انہوں نے ایضاً الاستدلال علی ابطال
 الاستبدال سے نقل کیا ہے یہ کتاب قاضی القضاة
 شمس الدین حریری کی ہے جو شہ آج ہدایہ میں سے
 ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ صدر الدین سلیمان نے کہا کہ
 یہ فتویٰ مشایخ کے اختیارات سے ہے اس لیے
 کتب مذہب سے ان کا حکم لا نہیں، فرمایا ہمارے
 مشایخ بھی یہی کہتے تھے اور یہی میرا قول ہے، اور
 غیر یہ کا قول گزرا، پھر ش نے فرمایا کہ ہمارے

عن قولهما ^{۳۰} وأيضاً قول البعز ثم يشيخ
 الافتاء بقول الامام وان لم يعلم من اين
 قال آه وفي رد المحتار قد قال في البعز
 لا يعدل عن قول الامام اني قولهما او قول احدهما
 الا لضرورة من ضعف دليل اولهما بل بخلافه
 كالزامرعة وان صرح المشايخ بان الفتوى
 على قولهما آه وهكذا اقر ^{۳۱} في منحة الخائف
 وفيه من النكاح قبيل الولي في مسألة
 دعوى النكاح منه او منها ببينة الزور و
 قضاء القاضى بها عند قول الدرر تعجل له
 خلافاً لهما وفي الشرنبلالية من المواهب
 وبقولهما يفتى ما نصه قال الكمال قول الامام
 اوجه قلت وحديث كان الزوج فلا يعدل عنه
 لما تقرر انه لا يعدل عن قول الامام الا لضرورة
 او ضعف دليله كما اوضحناه في رسم المفتي و
 شرحها آه وفيه من طبة المشايخ حديث
 علمت انه ظاهر الرواية ولعن عليه محمد
 ورواه عن ابن حنيفة ظن ان السدي
 عليه العمل وان صرح بان المفتي به خلافاً

نزد يك ثابت شديد ہے کہ نہ فتویٰ دیا جائے گا
 اور نہ عمل کیا جائے گا سو اسے امام اعظم کے قول
 کے مان اگر ضرورت ہو، علماء مشایخ نے اس امر
 کی تصریح کی ہو کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اور
 اسی طرح بجز ش کا قول کہ امام کے قول پر فتویٰ دینا
 واجب ہے اگرچہ یہ معلوم نہ ہو کہ ان کی دلیل کیا ہے۔
 اور رد المحتار نے کہا بجز سے امام کے قول سنان و ذیل
 کے قول یا ایک کے قول کی طرف دل رستہ نہیں ضرورت
 کی بنا پر ضرورت ضعف دلیل یا قائل کی مثل ہے جیسے رد المحتار
 نے صاحبین کے قول پر فتویٰ کی تصریح کی ہو اور
 مختار الخانی میں اسی کو برقرار رکھا۔ اور رد المحتار
 ولی کے بیان میں جہاں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ مرد
 یا عورت دعویٰ نکاح کرے اور جھوٹے گواہ پیش
 کرے اور قاضی ان گواہوں پر فیصلہ کر دے، یہاں
 دُر نے کہا کہ وہ عورت اس مرد کے لیے حلال
 ہو جائے گی اس میں صاحبین اخلاق اور شرنبلالی میں مواہب نے
 کر صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جائیگا وہ فرط سے
 ہیں کمال نے فرمایا امام کا قول زائد محقول ہے،
 میں کہتا ہوں جب قول امام اور ہے تو اس سے

۱/۵۳ مصطفیٰ البابی مصر بحث رسم المفتی

آہ ایضاً ۱/۵۳

آہ ایضاً ۱/۵۳

۲/۲۱۹ مصطفیٰ البابی مصر قبیل باب الولی

۲/۵۴۰ رد المحتار بحث ہبہ الشارع

هذه نصوص العلماء رحمهم الله تعالى و
 رحمنا بهم وهي كما ترى كلها موافقة لما في
 البحر ولم يعقبه فيما علمت الا علامنا
 متأخران كل منهما عاب وأب وانكروا قول فارق
 ورافق وخالف ووافق وهما العلامة خير
 الرضائي والسيد الشامي رحمهما الله تعالى
 ولا عبرة بقول مضطرب وقد علمت ان
 لا نزاع في سهم صومنا وسر دخلات ضعيف
 في الثامن وهي ما اذا خالفه صاحباه متوافقين
 على قول واحد ولم يفتي المرجعون على ترجيح
 شيء منهما فعند ذلك جاء قيل ضعيف بحول
 القائل بل مشكوك الثبوت ان المقلد يقتبس
 ما شاء منهما والصحيح المشهور المقلد المنقول
 انه لا يتبع الا قول الامام والقولان كما
 ترى مطلقان ومرسلان لا نظير في شيء منهما
 لترجيح او عدمه لكن المحقق الشامي اختار
 نفسه مسلکا جديدا الا اعلم له فيه سند
 سند او هو ان المقلد لا له التخيير ولا
 عليه التقييد بتقليد الا امام بل عليه
 ان يتبع المرجحين قال في صدر رد المحتار
 قول السراجية الاول اصح اذا لم يكن مجتهدا
 صريح في انبأ المجتهد يعني من كان
 اهلا للنظر في الدليل يتبع من الاقوال
 ما كان اقوى دليلا والا تتبع الغريب
 السابق ومن هذا قوله قد يرجحون قول

عدول نہ کرنا چاہتے کہونکر یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے
 کہ امام کے قول سے ضرورت کے وقت یا ضعف دلیل
 کے وقت ہی عدول کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ہم نے
 اس کی وضاحت رسم المفتی اور اس کی شرح میں
 کی ہے اور اسی کی بہتہ المشارع میں ہے جیسا
 کہ آپ نے جانا ہے کہ یہ ظاہر الروایۃ ہے اور اس پر
 محمد نے نص کیا ہے، اور مشایخ نے اس کو ابو حنیفہ سے
 روایت کیا، اس سے ظاہر ہوا کہ عمل اسی پر ہے
 اگرچہ اس امر کی تصریح کی گئی ہو کہ مفتی پر اس کے
 خلاف ہے اور یہ علماء کے نصوص ہیں اور جیسا کہ
 آپ نے ملاحظہ کیا یہ تحریر کی تصریح کے مطابق ہیں اس
 سے اختلاف کسی نے نہیں کیا، صرف دو متاخر علماء نے
 اختلاف کیلئے اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے موافقت بھی کی
 وہ علامہ غفرلہ اور شیخ محمد بن مفضل ہیں، ان کا اعتبار نہیں ہوتا
 اور آپ کو معلوم ہے کہ سات صورتوں میں تو کوئی اختلاف نہیں
 ہے صرف آخر میں صورت میں معمولی اختلاف ہے اور
 وہ یہ ہے کہ جب صاحبین امام صاحب کے برخلاف
 کسی ایک چیز پر اتفاق کر لیں اور ترجیح دینے والے
 کسی کو ترجیح نہ دے سکیں تو اس سلسلہ میں ایک قول
 ضعیف ہے جس کا قائل بھی مجہول ہے بلکہ مشکوک
 الثبوت ہے کہ مقلد جس کی پیروی چاہے کر سکتا ہے،
 اور صحیح مشہور، معتد اور منقول یہ ہے کہ امام صاحب
 کے قول ہی کی پیروی کرے گا، اور دونوں قول جیسا
 کہ اب دیکھتے ہیں مطلق و مرسل ہیں، ان میں ترجیح و
 عدم ترجیح کا کوئی اعتبار نہیں مگر محض شامی نے اپنے

بعض اصحابہ علی قولہ کما سراجہ و قولہ زفر
وعدہ فی سبعم عشرۃ مسأله فتنبہ ما زنجوی
لانہم اھل النظر فی الدلیل اھ و قال فی
قضائہ لا یجوز لہ مخالفۃ الترتیب المذكور
الاذا کامت لہ حلیۃ یقتدر بہا علی الاطلاق
علی قوۃ المدلول و بہذا سرجہ القول الاول
الی ما فی الجاوی من ان العبرۃ فی المتفق المجتہد
لقوۃ المدسک نصم فیہ زیادۃ تفصیل
سکت عنہ الجاوی فقد اتفق القولان علی
انہ الاصح ہوان المجتہد فی المذہب
من المشایخ الذین ہم اصحاب الترتیب
لا یلزمنہ الاخذ بقول الامام علی الاطلاق
بل علیہ النظر فی الدلیل و ترتیب ما سرجہ
عندہ دلل و نحن نتبع ما رجحوا و اھتدوا
کما لو اختلفوا فی جہاتہم کما حققہ الشارح
فی اول کتاب فقہنا عن الھلامۃ قاسم و
یا قریباً عن الھمامۃ انہ انت لہ
یکرم مجتہداً فعلیہ تقلید ہم و اتباع
سرایہم فاذا قضی بخلافہ لا ینفذ حکمہ و
فی فتاوی ابنت الشلی لا یعدل عن قولی
الاصام الا اذا اصروم احد من المشایخ
بان الفتوی علی قول خیر و بہذا استقما
یحدث فی البعوت انت ان علینا الاقتاد

ایک نیا مسک اختیار کیا ہے، مگر مجھے اس کی کوئی مضبوط
سند معلوم نہیں کہ مقلد کو نہ تنبیہ ہے اور نہ اس پر امام
کی تعلیل لازم ہے بلکہ اس پر لازم ہے کہ ترتیب دینے
والے حضرات کی ترتیب کی پیروی کرے، ورنہ اختلاف کے
شروع میں فرمایا کہ سراجہ کا پہلا قول اصح ہے جبکہ
وہ مجتہد نہ ہو، یہ اسی سلسلہ میں صریح ہے کہ مجتہد
یعنی وہ جو اہل نظر ہو وہ ان اقوال میں سے جو دلیل کے
اعتبار سے اقوی ہوگا اس کی پیروی کرے ورنہ ترتیب
ترتیب کے مطابق عمل پیرا ہو، اور یہی وجہ ہے کہ
بعض متأخرین امام صاحب کے بعض اصحاب کے اقوال
کو ترجیح دیتے ہیں، جیسے سترہ مقامات پر امام صاحب
کے قول پر امام زفر کے قول کو ترجیح دی گئی ہے، لہذا
ہم ان کی پیروی کریں گے کہ وہ اہل نظر ہیں اور اسی
کتاب کے ”باب القضاء“ میں فرمایا کہ مقلد کے لیے
نہ کہ ترتیب کے خلاف کرنا جائز نہیں، ہاں اگر اس میں
ایسی استعداد ہے کہ وہ دلیل کی قوت پر مطلع ہو سکتا ہے
تو ایسا کر سکتا ہے، اس طرح پہلا قول حادی کے قول
کے مطابق ہو گیا کہ مجتہد مفتی کے لیے اعتبار دلیل کی قوت کا
ہے، البتہ اس میں قدر سے تفصیل زائد ہے جو حادی
میں نہیں ہے، اب دونوں قول اس پر متفق ہیں کہ
اصح یہ ہے کہ مجتہد فی المذہب ان مشایخ میں سے
جو اصحاب ترتیب ہیں، ان پر مطلقاً امام کے قول کی
پیروی لازم نہیں، بلکہ اس پر لازم ہے کہ دو دلیل

بقول الامام وان افق المشايخ بخلافه ^۱ میں تو رکے اور جو اس کے نزدیک راجح ہو اس کو

ترجیح دے، اور ہم ان کے ترجیح دینے ہوئے اور عقیدہ کی پیروی کریں گے، بالکل اسی طرح جس طرح اگر وہ اپنی زندگی میں فتویٰ دیتے تو ہم پر لازم تھا کہ ہم اس پر عمل کریں، یہی فقہی سارے کتاب کی ابتدا میں کی ہے اور علامہ قاسم کا حالہ دیا ہے، قطعاً سے ہم اس کو معترب نقل کریں گے، اس میں یہ ہے کہ اگر مفتی مجتہد نہیں ہے تو اس پر احکامات کی تعلیم اور ان کی رائے کا اتباع لازم ہے، اگر اس کے خلاف فیصلہ کرے گا تو اس کا حکم نافذ نہ ہوگا، اور فتاویٰ اپنی جہتی میں ہے کہ قرآن امام سے عدولی نہیں جاسکتا، ان صرف ایک صورت ہے کہ مشایخ میں سے اگر کسی فقہیہ تصریح کی ہو کہ فتویٰ امام کے علاوہ کسی اور کے قول پر ہے۔ اور اس تحقیق سے جو کہ یہ بحث ختم ہوئی کہ اگر مشایخ یہ کہیں کہ فتویٰ امام کے علاوہ کسی اور کے قول پر ہے تب بھی ہم پر لازم ہے کہ ہم امام کے قول پر ہی فتویٰ دیں۔

اقول اولاً هذا كما ترى قول مستحسن

وثانياً نلاحظ انما باتباع الترجيح المخالف لاجماع ائمتنا الثلاثة رضی اللہ تعالیٰ عنہم وقد سمعت حواشی النصوص على خلافه نعم تتبع القول الضروري حيث كان وحيد مع ترجيح اولين ولد وجد الترجيح بخلافه كما علمت فليس الاتباع فيه للترجیح بل بقول الامام وثالثاً لما فيه من محال النزاع كما علمت بحجج بل فوق ذلك لان ما نحن فيه صاحباه ينقسم الاصل الى ستة اقسام اما يتفق المرجحون على ترجيح قوله او قولهما او يكون المرجحون لكثرة المرجحين او قوة لفظ الترجيح له او لهما او تساويان فيه او في عدمه ولا يستأهل لخلاف السيد

میں کہتا ہوں اولاً تو یہ نیا قول ہے اور ثانیاً یہ ہے کہ یہ قول جس میں ترجیح کی پیروی کا حکم ہے ہمارے اکثر مشائخ کے مخالف ہے، اور حالانکہ ہم اس کے خلاف نصوص پیش کر چکے ہیں، یا ہم ضروری قول کی پیروی کریں گے، خواہ اس کی ترجیح حاصل ہو یا نہ ہو بلکہ اس کے خلاف کی ترجیح بھی موجود ہو تب بھی، تو یہاں پیروی ترجیح کی نہیں بلکہ قول امام کی ہے، اور ثانیاً کہ اس میں محال نزاع کو ہی مٹا دیا گیا ہے جیسا کہ ہم وضاحت سے بتا چکے ہیں، کیونکہ وہ قول جس میں امام صاحب کے صاحبین ان کی مخالفت کریں، اس کی چھ صورتیں ہیں، یا تو ترجیح دینے والے امام کے قول کی ترجیح پر متفق ہونگے یا صاحبین کے قول کی ترجیح پر یا دونوں ترجیحوں میں سے ایک ترجیح ترجیح کی کثرت کے باعث ہوگا یا لفظ ترجیح کی قوت کی وجہ سے ہوگی، امام صاحب کے لئے

یا ضاحیہ کے لیے، یا دونوں اس میں برابر ہوں گے
یا اس کے عدم میں برابر ہوں گے۔ اور سید کا خیال
صرف چوتھی صورت میں ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے
کہ دونوں ترجیحوں میں سے زائد رائج صاحبین کے لیے
ہو، اس طرح یہ دوسری ہے اور یہ مقسم سے بھی
اعم ہے اور وہ ترجیح کی اتباع ہے، عام ایسی امام
صاحب کے صاحبین مخالف ہوں یا ان میں
سے ایک یا کوئی بھی نہیں۔ رابعاً اگر اس نے
قول کا کتابوں میں کوئی نام و نشان ہو تو بھی امام
کی تقلید کا قول اس پر رائج ہوگا اور پرچہ واجب
الاتباع ہوگا،

(۱) یہ قولی صاحب الامام الاعظم علم کے دریا،
فقہنا و محدثین و ادلیاء کے امام سیدنا حضرت عبداللہ
بن مبارک نے اللہ ہم کو ان کی عظیم برکتوں سے دیں
دنیا و آخرت میں نفع بخشے، فرمایا (عادوی القدسی
میں) اور تم نے خود شرح العقود میں فرمایا کہ جب
کسی سند میں ابو حنیفہ کا قول موجود نہ ہو تو ابو حنیفہ
کے ظاہر قول کو لیا جائے گا پھر محمد کے ظاہر قول کو
لیا جائیگا پھر ترمذی و حسن و غیرہم کے ظاہر قول کو
لیا جائیگا، پہلے بڑے کا قول پھر اس کے بعد
والے کا، علی الترتیب۔

(۲) یہی چہر کا قول ہے اور اسی پر اکثر کا
عمل ہے، جیسے کہ خود آپ نے رد المحتار اور العقود

الارایع میں یکتا ارجح الترتیب
لیہما فاذا تھو عاشر عشرۃ وقد تعدد
الی ما هو اعم من المقسم ایضا و ہوا اتباع
الترجیح سوا خلافہ صاحباً و احداً
او لا احد و رایعاً ان کان لہذا القول
المحدث اثر فی الزیو کا تب قول التتبع
بتقلید الکام مرجم علیہ و واجب
الاتباع یوجز الاول انہ قول صاحب
الامام الاعظم بحر العلم امام الفقہاء و
المحدثین والاولیاء سیدنا عبد اللہ بن
المبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ و نفیاً بمرکاتہ
العظیمة فی الدیانت والدنیا والاخرۃ فقد
قال فی العادوی القدسی وفعلاً قولہ انتم
شرح العقود متفق لہ یوجز فی المسألتہ
عن ابی حنیفۃ س وایۃ یؤخذ بظاہر قول
ابی یوسف ثم بظاہر قول محمد ثم بظاہر
قول ترمذی و حسن و غیرہم الاکبر فالاکبر
الی اخیر من کامت من کبار الاصلیاء
اد الشافعی علیہ الجہود والعمل بما علیہ
الاكثر كما صرح بہ فی رد المحتار والعقود
الدسریۃ و اکثرنا النصوص علیہ فی
فتاویٰ وفی فصل القضاء فی رسم الافتاء
الشامیۃ هو الذی قواردت علیہ التصحیفات

میں تصریح کی ہے، اور ہم نے اپنے فتاویٰ میں اس پر
بکثرت نقل ذکر کی ہیں اور رسم الافکار کی فصل
القضاء میں بھی۔

(۳) یہی ہے جس پر تصریحات وارد ہیں، اور
ترجیحات کے قیضے موجود ہیں، اگر ان کی پیروی خواہ
ہے تو امام کی تقلید بھی واجب ہے، اگرچہ صاحبین
امام صاحب کی مخالفت کریں، اور اگر واجب
نہیں ہے تو بحث سرے سے ساقط ہے، کیونکہ
جھگڑا تو ترجیحات کی پیروی میں تھا، تو اس سے
ظاہر ہوا کہ نفس نزاع، نزاع ہی کو بڑے ختم کرتا،
اور اس سے زائد تعجب خیز امر کیا ہو سکتا ہے!

خامسا، سید محقق اُن حضرات میں سے ہیں
جو یہ سمجھتے ہیں کہ عام شخص کا مذہب نہیں ہوتا ہے
اور یہ کہ عام آدمی جس کی چاہے پیروی کرے، اور
امام کا التزام کرے، اس کے غیر کی تقلید حلال نہیں، اس کے غیر میں جس پر اس نے عمل کیا ہو، اور پہلے ہم نے
تحریر سے نقل کیا ہے کہ یہ مذہب مختار کے خلاف ہے۔

میں کہتا ہوں اگرچہ باطل قول ہے، ائمہ کبار
نے اس کے باطل ہونے کی تصریح کی ہے، اور اس پر
اچھے پھیلوں نے تصنیفات لکھی ہیں اور وہابیہ غیر متقلدوں
کی طرف سے اس پر فتوہ عظیم برپا ہوا، اللہ مفسدین کے
عمل کی اصلاح نہیں فرماتا، ہمارے علمائے بڑا بڑا دیا
وہ دو صورتوں کو کسی مذہب کے اختیار کرنے سے روکتے ہیں

و اتفقت علیہ الترجميات فان وجب اتباعها
وجب القول بوجوب تقليد الاصول وان
خالفها مطلقا وان لم يجب سقط البحث
وأسافانما كانت النزاع في وجوب اتباع
الترجمات فظهر ان نفس النزاع يهدم
النزاع وای شیء اعجب منه وخامسا السيد
المحقق من الذين نرحمهم ان العامي
لا مذهب له وان له ان يقلد من شاء
فيما شاء وقد قال في قضاء المنحة في نفس
هذا المبحث نعم ما ذكره المؤلف يظهر
بناء على القول بان من التزم مذهب
الامام لا يحل له تقليد غيره في غير ما
حصل به وقد علمت ما قد مناه عن
التحریر انه خلاف المختص احمد۔

مذہب کا "قضاء" میں اسی بحث میں فرمایا کہ جو مکتبہ نے ذکر کیا ہے وہ ظاہر ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو
مذہب امام کا التزام کرے اس کو غیر کی تقلید حلال نہیں، اس کے غیر میں جس پر اس نے عمل کیا ہو، اور پہلے ہم نے
تحریر سے نقل کیا ہے کہ یہ مذہب مختار کے خلاف ہے۔

اقول وهذا وان كان قیلا باطلا
مخصوصا قد صرح ببطلانه كبا س الا ثمة
الناصبين، وصنف في ابطاله تر برف
الاولين والآخرين، وقد حدثت منه فتنة
عظيمة في الدين، من جهة الوهابية الغير
المقلدين، والله لا يصلح عمل المفسدين

جارية من لدن الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم
 ہدوت تکیر فاذی یکون الاجتماع العلی علی
 الاحتمام بما لا یغنی واستحسان الاشتغال
 بالفضول والی شناعة اشغف عنہ نکتہ سئل
 السید اذا لم یجب المقلید بالمدح و جہان
 الخروج عنہ بالکلیۃ فمن ذالذی او جب اتباع
 مرجعین فی مذہب معین مرجعوا احد قولین
 فیہ ہذا اذا اتفقوا فکیف وقد اختلفوا فی احد
 الجانبین الا امام الا عظم المجتہد المطلق
 الذی لم یلحقوا اخباراً ولم یبلغ مجموعہم
 عشر فضلہ ولا مشائرا حل ہذا الا جماعیین
 الضب والیون اذ حاصلہ انت الامام و احق
 واصحاب الترجیح فی مذہبہ اذا اجمعوا
 کلہم اجمعون علی قول لم یجب علی المقلدین
 الاخذ بہ بل یاخذون بہ او یاتھوی انفسہم
 من قیلات خاصۃ عن المذہب لکن اذا اقبل
 الامام قرأوا لفہ صاحبہ و مرجع مرجعون
 کلا من القولین و کان الترجیح فی جانب
 الصحابین اکثر ذاہبوا و اذکذا لفظاً لم یجب
 تعلید ہؤلاء ویستتم تعلید الامام و من
 معہ بل انت اجمع الامام و صاحبہ علی
 شئ و مرجع ناس من هؤلاء المتأخرین
 قیلاً مخالفین لاجماعہم و جب ترک تعلید
 الائمۃ علی تعلید هؤلاء و اتباعہم ، ہذا
 هو الباطل المبہین ، لا دلیل علیہ اصلاً

بالکلیۃ خروج ہاتر ہے تو پھر وہ کون ہے جس نے مرجعین
 کی اتباع مذہب معین میں واجب کی ہو، جس میں
 مرجعین نے دو قولوں میں سے ایک کو راجع کیا ہو، یہ
 تب ہے جب انہوں نے اتفاق کیا ہو، تو جب اختلاف
 کیا ہو تو کیسا ہو۔ اور دوسری طرف امام اعظم ہوں،
 جو مجتہد مطلق ہوں، یہ بعد والے امام صاحب کے
 عشر عشر کو نہیں پہنچ سکتے ہیں، یہ تو پھلی اور گودہ کو
 جمع کرنے کے مترادف ہے، کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے
 کہ امام صاحب، ان کے اصحاب اور ان کے مذہب
 کے اصحاب ترجیح جب سب کے سب ایک قول پر
 جمع ہو جائیں تو بھی مقلدین پر اس قول کو اختیار کرنا
 واجب نہیں، بلکہ چاہیں تو اس قول کو پس اور چاہیں
 تو جو مرضی میں آئے اس کو اختیار کریں، لیکن جب
 کوئی قول امام کا ہو اور صاحبین اس کے مخالف
 ہوں اور ترجیح دینے والوں نے ہر دو کی ترجیح کی ہو
 صاحبین کی ترجیح افراد کے اعتبار سے بھی زائد ہو اور
 اقلوں میں بھی زائد ہو کہ ہو، تو ان کی تعلید واجب ہے
 اور امام صاحب ان کے ہر دو کی تعلید منہ سے ہے، بلکہ اگر
 امام صاحب اور ان کے صاحبین کسی چیز پر اجماع کر لیں
 اور ان متاخرین میں سے کچھ حضرات ان کے اجماع کے
 مخالف کسی قول کی ترجیح کریں تو انہ کی تعلید چھوڑ کر
 ان لوگوں اور ان کے قلعین کی تعلید اختیار کی جائے،
 یہ واضح باطل ہے شریعت میں اس پر کوئی دلیل
 نہیں والحمد للہ رب العالمین۔ اور اس سے معلوم
 ہوا کہ ہر کا قول اگرچہ ان کے مخالف قول پر مبنی ہے،

من الشریع المستقیم ، والحسد لله رب العالمین ،
 دہ ظہر اند قول المبحر وان کان مبتدئاً علی ذلك
 الحق المتصور المعتمد المختار ، البأخو ذہ
 قولہ عند الاثمة الکبار ، وفعل عندہم وعند
 هؤلاء المنازعین الاخیار ، لکن ما نزل السید
 لا یفتن علیہ ولا ھل ما نزلہم انہ المختار ، بل
 یخالقہما جمیعاً بالاعلان والجهاد ، والنجاة
 لله العزیز الغفار ، والصلوة والسلام علی
 سید الکابرار ، وآلہ الاطہار ، وصحبہ الکبار ،
 وحلیتہم فی دار القرار ، آمین **قوله قول**
السراجیة صریح ان المجتہد یتبع ما کان
اقوی والا تتبع الترتیب فتتبع ما رجحوا۔
اقول رحمک اللہ **قلک فتتبع ما**
 رجحوا ان کان داخلاً فی ما ذکرک من مفاد
 السراجیة فتوجیہ القول بضدہ ورسدہ
 فامت السراجیة توجب علی غیر المجتہد
 اتباع الترتیب لا الترجیح وان کان زیادۃ
 من عندک فمخالفت للمصوصن وتقریرہم
 فلتش علی ما ھو تقریرہ لہ فانک انت کنت
 اھل النظر فعلیک بالنظر المصیب ، او لا
 فعلیک بالترتیب ، فمن این ھذا الثانی
 الغریب ، **قوله** لا یجوز لہ مخالفتہ الترتیب
 الا اذا کان لہ ملکہ فعلیہ ترجیح ما رجح

لیکن سید نے جو زعم کیا ہے نہ تو وہ اس پر مبنی ہے اور نہ
 اس پر جس کو انہوں نے اپنے زعم میں مختار سمجھا ہے بلکہ
 کلمہ کھلا ان دونوں کے خلاف ہے ۔ دلائل اللہ غالب
 مختار کے لیے ہیں اور صلوة و سلام ابراہیم کے مستند پر
 نازل ہوا اور ان کی پاک آل اور عظیم صحابہ پر اور ان کے
 طفیل ہم پر ہمیشہ ہمیشہ ، آمین ۔

ان کا قول ہے کہ سراجیہ کا قول اس میں مرتب ہے
 کہ مجتہد کو اقویٰ کی اتباع کرنی چاہئے ورنہ ترتیب کی پیروی
 کئے تو ہم اس چیز کی پیروی کریں گے جس کا حق نے راجع قرار دیا
 میں کہتے ہوں اللہ آپ پر رحم کرے آپ کا قول
 کہ ہم اس کی اتباع کریں گے جس کو انہوں نے
 راجع قرار دیا ہے ، اگر آپ کے بیان کردہ مفاد سراجیہ
 میں داخل ہے تو آپ اس کی ضد کا قول کر رہے ہیں
 کیونکہ بقول سراجیہ کے غیر مجتہد پر ترتیب کی پیروی لازم
 ہے نہ کہ ترجیح کی ، اور اگر یہ آپ کی طرف سے زیادتی
 ہے تو یہ منصوص کے خلاف ہے ، اور یہ ایک چیز کی تقریر
 اس کی ضد پر ہے ، اگر آپ اہل نظر سے ہیں تو صحیح نظر
 کریں ورنہ ترتیب کی اتباع کریں اور یہ تیسرا نیا قول
 نہ کریں ۔ ان کا قول ترتیب کی مخالفت اس کو جائز
 نہیں ہاں اگر اس میں ملکہ ہے تو یہ چیز اس کے

خندہ و نحن نبتع ما سجد حوٹا۔

نزدیک راجح ہے اس کو ترجیح ہے اور ہم ان کی ترجیح کی پیروی کریں گے۔

میں کہتا ہوں، اللہ آپ پر رحم کرے، بات یہی ہے، ان کے کلام کا حاصل وہی ہے جو آپ نے اپنے قول و نحن تک ذکر کیا، مگر یہ تو ان کی تردید ہے کیونکہ جس میں ملکہ نہ ہو اس کے لیے ان کے نزدیک ترتیب کی مخالفت جائز نہیں اور آپ نے اس کو اس پر واجب کیا مع ترجیح کے۔ اس کا قول جیسا کہ اس کی تحقیق شارح نے علامہ قاسم سے کی۔ میں کہتا ہوں اس میں ان کی کوئی موافقت نہیں اور نہ اس میں اس طرف میلان ہے، اس کا قول اور ملتقط سے آئینا میں کہتا ہوں اولاً اس کا حاصل یہ ہے کہ مجتہد قاضی خود اپنی رائے سے فیصلہ کرے گا، اور مقلد مجتہدین کی رائے سے فیصلہ کرے گا، ان کی مخالفت نہیں کر سکتا ہے۔ اس میں کہاں ہے کہ جو لوگ اس کو فتویٰ دیں اگر اس کے مذہب کے امام کے مجتہدین سے ہوں اور امام کے قول پر فتویٰ دینے میں اختلاف کریں تو اس پر لازم ہے کہ ان لوگوں کا قول اختیار کرے جو اس کے امام کے مخالف ہوں یا ان کے امام کے مخالف ہوں اگر وہ زائد ہوں اور ان کے لفظوں میں زاید تاکید ہو، اولاً نزاع تو اسی میں ہے۔

اقول سر حکم اللہ هذا اكد ذلك
فما حصل كلامهم جيبا ما ذكرت الى قولك و
نحن اما هذا اخر وعليه وخروج عنه فان من
لا ملكة له لا يجوز له خندهم مخالفة الترتيب
وانتم اوجبوه عليه اذ امره له مع التوجيه
قوله كما حققه الشارح عن العلامة قاسم
اقول علمت ان لا موافقة فيه لما لديه
ولا فيه ميل اليه قوله وياق عن الملتقط
اقول اولاً حاصل ما فيه ان القاضى المجتهد
يقضى برأى نفسه والمقلد برأى المجتهدين
وليس له ان يخالفهم وابت فيه ان الذين
يعتونه ان كانوا من مجتهدى مذاهب اهل البيت
فانختلفوا فى الافتاء بقوله وجب عليه ان
ياخذ بقول الذين يخالفوا امامه واما مهم
ان كانوا من غير ائمتهم اكدوا انما النزاع فى
هذا وثباتياً المنع من ان نخالفهم بأمرنا
اذ لا رأى لنا ونحن لانخالفهم بأمرنا
بل برأى امامهم واما ما وقد قال فى
الملتقط فى تلك العبارة فى القاضى المجتهد

شما نیا، منع کرنا ہے اس امر سے کہ ہم ان کی نفی
اپنی آراء سے کریں کہ ہماری کوئی رائے نہیں اور ہم ان
کی مخالفت اپنی رائے سے نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان کے
اور اپنے امام کی رائے سے ایسا کر رہے ہیں، اور
قطع میں اُس عبارت میں فرمایا کہ مجتہد قاضی وہ فیصلہ
کرے گا جس کو خود جواب سمجھے دوسرے کے فیصلہ پر
نہ کرے گا، ہاں اگر دوسرا اُس سے فقہ اور وجہ اجتہاد
میں برتر ہو تو وہ اپنی رائے چھوڑ کر اس کی رائے اختیار
کر سکتا ہے اور قوی جب مجتہد جس کو اپنی رائے پر فیصلہ
کرنے کا حکم ہے، اپنی رائے چھوڑ کر اپنے سے زائد
عالم کی رائے کی پیروی کر سکتا ہے تو ہم اگر ان مفتی حضرات کی رائے چھوڑ دیتے اور ان کے امام اعظم کے قول کو مان لیں جو ان
سب مفتیوں سے زیادہ فقیہ اور وجہ اجتہاد کے زیادہ جانتے والے ہیں تو کیا مضائقہ ہے! ان کا قول جو بحر
میں ہے وہ ساقط ہوا۔

میں کہتا ہوں، بحر کا حکم جمہور کا معتقد اور تصحیح کر دیا
ہے، مگر بحر کی بحث نہیں کرنا چاہیے۔ میں کہتا ہوں
ان کے کلام کی توجیہ ترجمہ پر ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے
کہ جب ترجیح دینے والے امام صاحب کے قول کے
علاوہ کسی اور کی ترجیح پر متفق ہو گئے ہوں، یہ اس
پیر کا رد ہے جو بحر کے اطلاق سے سمجھا جا رہا تھا اور
اگرچہ مشایخ نے اس کے برعکس فتویٰ دیا ہو، کیونکہ یہ
بظاہر ایسی صورت کو بھی شامل ہے جبکہ مشایخ امام کے
علاوہ کسی اور کی ترجیح پر متفق ہو گئے ہوں، اور اس
عنایہ پر دلیل 'ش' کا کلام ہے کہ انہوں نے

قضى بما ساء صوابا لا يغيره الا ان يكون غيره
اقرى في الفقه ووجوه الاجتهاد في جواز ترك رأيه
برأيه لانه اذا اجاز للمجتهد ان يتورك رأييه برأى
من هو اقوى منه مع انه مأثور باتساع
رأيه وليس له تعليل غيره فان تركنا اراء
مؤلا المتقين لرأى امامنا واما مهم الاعظم
الذى هو اقوى من مجمرهم في الفقه و
وجوه الاجتهاد بل فضله عليهم كفضلهم
عليهنا او هو اعظم الاول بالجواز واجد من
قولنا سقط ما بحثه في البعث.

عالم کی رائے کی پیروی کر سکتا ہے تو ہم اگر ان مفتی حضرات کی رائے چھوڑ دیتے اور ان کے امام اعظم کے قول کو مان لیں جو ان
سب مفتیوں سے زیادہ فقیہ اور وجہ اجتہاد کے زیادہ جانتے والے ہیں تو کیا مضائقہ ہے! ان کا قول جو بحر
میں ہے وہ ساقط ہوا۔

اقول، بل نحن الله هو الحكم الساثور
ومعتقد الجمهور، والمضجع المنصور،
ككيف يصح تصحيته ببحث البحر ههنا
واقول يظهر في توجيحه كلامه رحمه الله
تعالى انه مراد اذا اتفق المرجحون
على ترجيح قول غيره رضي الله تعالى عنه
فذكر مراد المافهم من اطلاق قول البحر
وان اثنى المشايخ بخلافه فانه بظاهره
يشمل ما اذا اجمع المشايخ على ترجيح
قول غيره والبدليل على هذه العناية في

له الدر المختار كتاب القضاء مجتبیٰ دہلی
مکہ رد المختار مطلب یعنی بقول الامام عل الاطلاق

کلام مثله انما تسلك بالتابع المرجحين
وانهم اعلم وانهم سبوا الدلائل فحكموا
بترجيحه ولو يلحق شيء من الكلام الى صورة
اختلاف الترجيح فضلا عن الترجيح احد
الترجيحين ولو كان مراده ذلك لم يقتصر على
اتباع المرجحين فانه حاصل في حلال
الجائزين بل ذكر اتباع المرجحين
ويؤيد ذلك ايضا ما قدمنا في السابعة من قوله
رحمه الله تعالى لما تعرضنا للتصحيحان
ساقطاً فربعتنا الى الاصل وهو تقسيم قول
الامام اهـ وهذا وان كان ظاهره فيما
استوى الترجيحان لكن ما ذكره مترقياً عليه
عن الخيرية والبحريين ان الحكم اعم
ومزيد ايضاً ما جعل احوال الكلام معصلاً
جميع كلام الدرر في المرام اذ قال قولنا
فليحفظ اي جميع ما ذكرناه وحاصلنا ان
الحكم ان اتفق عليه اصحابنا يفتى به قطعاً
والا فاما ان يصحح المشايخ احد القولين
فيه او حكلاً منهما اولاً ولا فحق الثالث يعتبر
الترتيب يان يفتى بقول ابي حنيفة ثم
ابي يوسف ثم ابو قرة الدليل وهو التوقيت
وفي الاول ان كان التصحيح بافعل التفضيل

مرجحين کی پیروی سے استدلال کیا ہے اور وہ زیادہ جانتے
والے ہیں، اس لیے وہ دلائل کی بنا پر ترجیح دے سکتے ہیں
اور انہوں نے اپنے کلام میں ترجیح کے اختلاف کی کسی
صورت کا ذکر نہیں کیا ہے چر جائیکہ دو ترجیحوں میں سے
کسی ایک کی ارجحیت کا، اور اگر ان کا مقصد وہی ہوتا
تو وہ مرجحین کی پیروی پر ہی اکتفا نہ کرتے کیونکہ وہ اس
صورت میں دونوں طرف حاصل ہے بلکہ وہ دو ترجیحوں
میں سے جو زیادہ رائج ہوتی اس کا ذکر کرتے اور
اس کی تائید ہماری اس عبارت سے ہوتی ہے
جو ہم نے سابق میں ذکر کی ہے یعنی ان کا قول کہ جب
دو قصیوں میں تعارض ہو تو دونوں ساقط ہو گئیں اور
ہم نے اصل کی طرف رجوع اور وہ امام کے قول کا
مقدم کرنا ہے اھیر اگرچہ اسی صورت میں ظاہر ہے حکم
دونوں برابر کی ہوں، لیکن جو خبریہ اور کفر سے بطور ترقی
ذکر کیا ہے وہ اس امر کو متعین کرتا ہے کہ حکم اعم پر ہے
اور اس کی تائید کرتا ہے کہ جو چیز انہوں نے آخر میں
ذکر کی ہے وہ دوسرے کلام کا پھوڑا اور خلاصہ ہے،
انہوں نے کہا فليحفظ یعنی جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے
اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی حکم پر ہمارے اصحاب
متفق ہوں تو اس پر قطعاً فتویٰ دیا جائے گا، ورنہ
اس کی کئی صورتیں ہیں، یا تو مشایخ دو قولوں میں سے
کسی ایک کی تصحیح کریں گے یا دونوں کی، یا نہیں کریں گے

یخیر المفتی والافلا بل یفتی بالمصحح فقط
 وحذا ما نقله عن الرسالة وفي الثاني اما
 ان يكون احدهما با فعل التفضيل او لا فف
 الاول قيل يفتی بالاصح وهو المنقول عن
 الغيرية وقيل بالصحیح وهو المنقول عن
 شرح الحنية وفي الثاني یخیر المفتی وهو
 المنقول عن وقف البحر والرسالة اما اذا
 ح أحد فاما ذكره في الثالث عین مرادنا وكذا
 ما ذكره في الاول اما استثناء ما اذا كان التصحيح
 با فعل فاقول یخالف نفسه ولا یخالفنا
 فان الترجیح اذا لم یوجد الا في جانب واحد
 كما جعله محصل الرسالة ومع ذلك
 یخیر المفتی لم یکن علیہ اتباع ما سجدوه و
 التأویل بان اقل افاد ان المراد بالاختلاف
 صحیحۃ ایضا كما قالاهما وطفا قول
 او لا هذا مسلم اذا قبل الاصح بالصحیح
 اما اذا كوا قولین وتالوا فی احدھما وحده
 انه الاصح ولم یلموا بنبیائہ قرة ما فی
 الاخر اصلا فلا یفهم منه الا امت الاول

تو تیسری صورت میں ترتیب کا اعتبار کیا جائے گا ،
 یعنی یہ کہ ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیا جائیگا پھر ابو یوسف
 کے قول پر الخ یا قرة دلیل کا اعتبار ہوگا اور ان میں
 تطبیق گزر چکی ہے پہلی صورت میں اگر تصحیح افضل تفضیل سے ہے
 تو مفتی کو اختیار ہے ورنہ نہیں بلکہ لازم ہے کہ قول صحیح
 پر فتویٰ دے ، یہ انہوں نے رسالہ سے نقل کیا اور
 دوسری صورت میں یا تو ان میں سے کوئی ایک افضل
 تفضیل سے ہوگا یا نہ ہوگا تو پہلی صورت میں کہا گیا ہے
 کہ مفتی اصح کے مطابق فتویٰ دے گا ، اور ثیر یہ ہے یہی
 منقول ہے اور ایک قول ہے کہ صحیح سے فتویٰ دے گا
 اور یہ بشرط قید سے منقول ہے اور دوسری صورت میں
 مفتی کو اختیار ہے اور یہی بحر کے وقت سے منقول ہے
 اور رسالہ میں بھی یہی ہے ، رح سہ اس کا افادہ کیا
 تو تیسری میں ذکر کیا وہ ہماری مراد ہے ، اسی طرح جو
 اول میں مذکور ہے ، افضل سے تصحیح کا استثناء ۔ تو میں
 کہتا ہوں یہ خود ان کے مخالفت ہے اور یہ اسے مخالفت نہیں
 کیونکہ ترجیح سبب صرف ایک ہی طرف ہو ، جیسا کہ اس کو
 انہوں نے رسالہ کا محل بنایا ہے اور اس کے باوجود مفتی کو
 اختیار ہے اس پر جو مشایخ نے کہا ہے اس کی ترجیح لازم

میں کہتا ہوں یہ اس کو شامل ہے جبکہ دونوں تصحیحات افضل
 کے ساتھ ہوں اور اس میں اختلاف مذکور بھی
 نہیں آتا تو مناسب تھا یوں کہتے اجدا تھا و حده
 تاکہ اس کا قول او لا ما اذا کان با فعل نہ شامل ہوتا تھا (مست)

لہ اقول یثمل اذا کان کلاهما به ولا یتأتق
 فیہ الخلاف المذکور فکان یتبع
 ان یقول احدھما وحده لا یشمل قوله او لا
 ما اذا کان با فعل ۱۲ منہ غفرلہ (م)
 لہ رد المحتار رسم المفتی معطفہ البانی مصر

هو الراجح المنصور ولا ينفذ في ذهن احد
انهم يريدون به تصحيح كلا القولين و
ان الاول مزية ما على الاخر فاعمل بهما
من باب اهل الجنة خير مستقرا واحسن
حقيلا ولو سبرت كلما فهم لوجدتهم يقولون
هذا احوط وهذا امر فوق مع ان الاخر لا فوق
فيه ولا احتياط وهذا يدل على عند من خدم
كلاهم ولذا قال في الخيرية من الطلاق
انت على علم بانك بعد التخصيص على الصحيح
لا يعدل عنه الى خيرة احول قال في صلحها
في مسألة قالوا فيها لعائل ان يقول تجوز و
هو الاصح ولعائل ان يقول لا مانع حيث
ثبت الاصح لا يعدل عنه اهو وهذا اعتقاد
ممنه العقود وان مالي في شرحه الى ما هنا
فانه قال : هـ

وحيثما وجدت قولين وقد
صحح واحد فذاك المعتد
بمنه وذا التقوى عليه الاشبه
والاظهر المختار ذوالاوجه

فقد حكم بقصر الاحتياط على ما قيل فيه فاعمل
ولم يستقم خلاقه ولما قال في الدرر فيمن

نہیں، اور یہ بتا دیا کہ اقل سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالف
روایت بھی صحیح ہے جیسا کہ ان دونوں نے کہا اور طے نہ
کہا قرین کہتا ہوں اولاً یہ اس صورت میں مسلم ہے جبکہ
اصح کا مقابلہ صحیح سے ہر ممکن جب دونوں ذکر کیے گئے
ہوں اور ثانیاً یہ کہ بابت کہا گیا ہو کہ وہی اصح ہے اور
دوسرے کی قوت کے بارے میں کچھ نہ کہا گیا ہو تو اس کا
مطلب یہی ہوگا کہ پہلا ہی راجح ہے اور کسی کے ذہن
میں یہ بات نہ آئے گی کہ اس سے ان کا مراد دونوں
قولوں کی تصحیح ہے اور یہ کہ پہلے کو دوسرے پر ایک قسم کی
فضیلت حاصل ہے تو اقل یہاں اهل الجنة خیر
مستقرا و احسن حقیلا (اہل بیت کا مستقر بہتر
اور گھٹ کر اچھی ہے) کے باب سے ہے، اور اگر
آپ فقہاء کے ارشادات سنیں تو وہ فرماتے ہیں یہ اسط
ہے، اور یہ نرم بات ہے جبکہ دوسرے میں نہ نرمی ہے
اور نہ ہی احتیاط ہے، جو فقہاء کے کلام کے خدمت گزار
ہیں ان کے یہ بدیہی ہے اور اسی خیریت کی کتاب الطلاق میں فرمایا
کہ آپ کو علم ہے کہ اس کی اصحیت کی تخصیص کے بعد اس سے
کسی دوسرے کی طرف عدول نہ کیا جائیگا اور بلکہ اس کی
کتاب الصلح میں ہے کہ فقہاء کہتے ہیں کسی مسئلہ میں قائل کو
رہا ہے کہ وہ کے جائز ہے اور وہی اصح ہے اور دوسرے کو
رہا ہے کہ وہ کے جائز نہیں کیونکہ جب اصح ثابت ہو جاتے

لہ فتاویٰ خیریت کتاب الطلاق بیروت ۱/۳۹

لہ فتاویٰ خیریت کتاب الصلح بیروت ۲/۱۰۲

سہ حق و رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۷

نس التسلیم عن یسار ۵ اقی به ما لم یستدبر
القبلة فی الاصح وکان فی الغنیة انه الصحیح
 قال ش عبر الشارح بالاصح بدل الصحیح
 والمخطوب فیہ سهل ۱۵ وکیف یکون سهلاً
 وهما عند کرم علی طری فی نقیض فان الصحیح
 کان یفید ان خلافة فاسد واذا فالاصح
 عند کرم انه صحیح فقد جعل انفا صد صحیحاً
 وقائماً قد قلتم علیتنا اتباع ماس جحوة و
 لیس بیان قوة للشئ فی نفسه ترجیحاً له اذ
 لابد للترجیح من مرجح و مرجح علیه
 فالمنصف قطعاً ما فضله علی غیره فلا شک
 انهم اذا قالوا الاحد قولین انه الاصح و
 سکتوا عن الآخر فقد فضله و رجحوه علی
 الآخر فوجب اتباعه عند کرم وسقط التخییر
 فاما لو جحد عندی حیل مکللاً الرسالة علی
 ما اذا دلیلت احدهما با فعل والاخری بغیره
 فیکون ثالث ما فی المسألة عن الخیریه و
 الغنیة من اختیار الاصح او الصحیح
 وهو التخییر وهذا الاول من محله علی ما لا
 یقبل لاسیما والرسالة مجهولة لا تدعی
 علی ولا ثمرتها والنقل عن المجهول لا یعتد
 وان کان الناقل من المحدثین کما
 تله اقول و تم تفصیل یصرفه الماهر بالملیب
 الکلام والمطلوع علی مراتب الرجال فاخذوا من
 (الم)

ترا اس سے غیر کی طرف عدول جائز نہیں ہے اور یہ
 ان کی حقوق کے متن کا مفاد ہے اگرچہ وہ اس کی
 شرح میں اس طرف مائل ہوئے ہیں جو یہاں ہے
 وہ فرماتے ہیں اگر تم دو قول پاؤ اور حالانکہ ایک کی
 تصحیح کی گئی ہو تو وہی معتد ہے۔ اسی پر فتویٰ اشہد
 انظر غناء اور چچا پنجہ انھوں نے صرف اسی پر اعتماد
 کیا جس میں افعال کہا گیا ہو اور اس کے خلاف کی
 تصحیح نہیں کی، اور دوسریں کہا کہ جو شخص الہی طریقت
 سلام پھیرنا قبول کیا ہے تو حجت تک اس نے قبلہ کو
 چلیٹھ نہ کی ہو پھر ملے، اصح ہی ہے، اور فقیر میں قما
 یہ صحیح ہے، 'شش' نے کہا کہ شارح نے اصح سے
 تعبیر کیا نہ کہ صحیح، اور معاملہ میں ان سے سہل ہے اور
 اور سہل کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ کہا ہے نزدیک وہ
 دونوں متناقض ہیں، اگرچہ صحیح کا مفہوم تو یہ تھا کہ اس کا
 خلاف فاسد ہے اور اصح کا مطلب تھا کہ نزدیک
 یہ ہے کہ یہ صحیح ہے، تو گویا فاسد کو صحیح کو دیا گیا۔
 اور ثانیاً تم نے کہا ہے کہ ہمیں ان کے ترجیح
 دینے ہوئے کی پیروی لازم ہے اور کسی چیز کی فی نفسہ
 قوت کا بیان اس کی ترجیح نہیں ہے کیونکہ ترجیح کے لئے
 کسی مرتب کا اور مرتب علیہ کا ہونا ضروری ہے، تو
 محض قطعاً یہ ہیں کہ انہوں نے اس کو اس کے غیر
 پر فضیلت دی ہے، ترا اس میں شک نہیں کہ
 یہاں کی تفصیل کو اسلوب کلام کا ماہر اور رجال کے
 مراتب کو جاننے والا ہی جانتا ہے فافهم احسنہ (ت)

افصح بدش فی مواہم من کتبہ و بینا ہما
فی فصل القضاء و بالجملة ثالثا تضاف ما قررہ
اما انہ لا تنافسا فلان ہما وہا اذ ذالک یفید
وہو حاصل ما فی شق الثانی لانه لما وقع فی
شقہ الاول الخلاف من دون ترجیح الی اسل
التخیر والتخیر مقید بقیود قد ذکرہا من
قبل و ذکرہا هنا بقولہ ولا تنفی ما قد منہا
من قیود التخییر لہ من اعظم بان لا یسکون
احد ہما قول الامام فاذا کان فلا تخیر کما سلفنا
انما نقلہ وقد قال فی شرح عقودہ اذا
کان احد ہما قول الامام الاعظم والاخر
قول بعض اصحابہ عند عدم الترجیح لاحد ہما
یقدم قول الامام فکذا یبعد ^{ان} ای بعد ترجیح
القولین جمیعاً فرجع حاصل انقولی الی انت
قول الامام هو المتبع الا ان یتفق المرجعون
على تصحیح خلافہ۔

جب وہ کسی قول کے لیے الاصح کہیں اور دوسرے سے
عارض رہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اس کی
فضیلت اور ترجیح دی ہے دوسرے پر تو تمہارے
نزدیک اس کی پیروی واجب ہے اور تخیر سا قط ہے
تو میرے نزدیک رسالہ کے کلام کو اس پر محمول کیا جانا
چاہئے کہ اگر ایک قول کے بعد افضل ہو اور دوسرے میں کچھ
اور ہو تو یہ تیسری چیز ہوگی جو مسئلہ میں خیر ہے اور غنیہ میں اصح
یا صحیح کا اختیار ہے اور یہی تخیر ہے اور یہ اس سے بہتر
ہے کہ اس کو نامقبول چیز پر محمول کیا جائے، پھر رسالہ
ایک مجہول کتاب ہے، نہ اس کا پتا اور نہ اس کے مصنف
کا پتا ہے، اور مجہول کی نقل پر اعتماد نہیں کیا جاتا ہے
خواہ نقل کتنا ہی قابل اعتماد ہو، ش نے اپنی کتاب کے
کئی مقامات پر اس کو ذکر کیا ہے اور ہم نے اس کو
فصل قضاء میں ذکر کیا ہے، خلاصہ یہ کہ استناد ان کی
تقریر کے خلاف ہے لیکن ہمارے مخالف نہیں ہے،
کیونکہ اس وقت ان کا مفاد تخیر ہے اور یہ دوسری کی
دونوں شقوں میں موجود ہے کیونکہ جب اس کی شق اول خلاف واقع ہوئی بلا ترجیح کے تو تخیر واپس آگئی اور تخیر ایسی
قیود سے مقید ہے جس کو انہوں نے پہلے ذکر کیا اور یہاں اس کو یاد کرایا اور فرمایا جو قیود تخیر ہم نے ذکر کی ہیں وہ نہ مجہول
احد ایک یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک قول امام نہ ہو اگر ایسا ہو تو تخیر نہ ہوگی جمیعاً ہم نے ابھی ذکر کیا، انہوں
نے شرح عقود میں فرمایا کہ جب ایک قول امام اعظم کا ہو اور دوسرا ان کے بعض اصحاب کا اور ان میں سے کسی ایک
کی ترجیح نہ ہو تو قول امام ہی کو مقدم کیا جائے گا، اسی طرح اس کے بعد والا ہے احد یعنی دونوں قولوں کی ترجیح کے بعد
تو حاصل قول یہ نکلا کہ قول امام ہی لائق اتباع ہے، ہاں اگر ترجیح دینے والے اس کے خلاف کی تصحیح پر متفق ہو جائیں۔

فان قلت ایس قد ذکر عشر مرخصاً

أخرون في التخيير مع جعل منها، أكد مستترا
التصحيح كونه في المتن والأخرى المشدود
أو في المشدود والأخرى الفتاوى أو مغلولة
دون الأخرى أو كونه استحصانا أو ظاهراً المراد
أو أنعم للوقت أو قول الآخر أو وقتاً باهلاً
الزمان أو وجهه مراد هذين في شرح عقوده -
قلت بل ولا تنكرها أفعالاً ان الترجيح بها
أكد من الترجيح بانه قول الأما ما منها ذكر
رحمه الله تعالى من التصحيح إذا اختلفت
وكان لاجتماع مرجح من هذا ترجيح ولا
تغيير ولو زيد كرها إذا كانت لكل منهما مرجح منها -

اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے دس ترجیحات ذکر
کی ہیں اور ہر ترجیح کے ساتھ تخییر کی نفی کی ہے، وہ دس
یہ ہیں ۱

(۱) تصحیح کی آگاہیہ -

(۲) ایک کا متن میں اور دوسرے کا شرح میں ہونا -

(۳) ایک کا شرح میں ہونا اور دوسرے کا متن

میں ہونا - (۴) ایک میں تعلیل کی گئی اور دوسرے میں نہ کی گئی

(۵) استحسان ہونا -

(۶) ظاہر الروایۃ ہونا -

(۷) وقف کے لیے زائد نفع بخش ہونا -

(۸) آخر کا قول ہونا -

(۹) اہل زمانہ کے حق میں زیادہ مناسب ہونا

یا معقول ہونا، یہ دو وجہ انہوں نے اپنی شرح معلقہ میں زیادہ کی ہیں -

میں کہتا ہوں کہ نہیں، اور ہم بھی ان کا انکار نہیں کرتے ہیں، کیا انہوں نے یہ کہا ہے کہ ان سے ترجیح کا
پایا جانا اس امر سے زیادہ قوی ہے کہ یہ قول امام ہے؟ انہوں نے ذکر کیا کہ جب تصحیح مختلف ہو جائے اور کسی کو ان وجہ
میں سے کسی وجہ سے ترجیح حاصل ہو اور تخییر بھی نہ ہو، انہوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ جب ان میں سے ہر ایک کے لیے مزج
موجود ہو تو کیا ہوگا!

أقول وقد بقي من المرجحات كونه

أحوط أو أسبق أو عليه العمل وهذا يقتضي
الكلام على تفاصيل هذه المرجحات فيما بينها
وكانه لو لم يرد لصعوبة استقصائه فليس في
كلامه مضادة لما ذكرنا وأنا أقول الترجيح
بكونه مذاهب الأما ما مرجح من لكل التصويبات
الناظر في الظاهر الباطن المتواترة ان الفتوى
بقول الأما مطلقاً وقد صرح الامام الاجل

میں کہتا ہوں مرجحات میں سے یہ باقی رہ گیا ہے
کہ یہ احوط ہو یا اسبق ہو یا اس پر عمل ہو، اور اس کا
تقاضا یہ ہے کہ ان مرجحات میں آپس میں درجہ بندی
پائی جاتی ہے مگر انہوں نے اس کا ذکر غائباً اس نے
نہیں کیا کہ اس کا استقصاء دشوار ہے، تو ان کے کلام
میں تضاد نہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، میں کہتا ہوں ان
الفاظ کے ساتھ ترجیح دینا کہ یہ قول مذہب امام ہے
تمام ترجیحات سے افضل ظاہر یا ہر مترادف ہے، اور یہ

صاحب الہدایۃ بوجوبہ علی کل حال و آنہ
بعین التفصیل وجدت الترجیح بہ ارجح
من جل ما ذکرہما یوجد معارضہ -

معلوم ہوگا کہ ترجیح کا یہ طریقہ اس کے مخالف تمام طریقوں سے ارجح ہے۔

فا قول القول لایکون الا ظاہر الرقاعۃ
و محال ان تمشی المتون قاطبۃ علی خلاف
قوله وانما وضعت لنقل مذہبہ و کذا
لن تجد ابد ان المتون سکتت عن قوله و
الشروح اجمعت علی خلافہ و لریاضہ بہ الا
فتاوی و الانفعیۃ للوقت من المصالح الجلیۃ
المہمۃ و علی احدی الحواصل الست و کذا
الافقیۃ لاهل الزمان و کونہ علیہ المصل
و کذا الاسرف اذا کان فی محض دفع الحرب
و الاخطا اذا کان فی خلافہ مفسدۃ و الاستحسان
اذا کان لمخوض و رۃ او قضا علی ما اذا کان
لدلیل فمختص یا اہل النظر و کذا کونہ اوجہ
و اوضحہ دلیل کہما اعترف بہ فی شرح عقودہ و قد
اعلمنا انہ المقلد لایتوک قول امامہ نقول
غیرہ ان غیرہ اقرب دلیل فی نظری غایب النظر
من النظر و انما یتبعہ فی ذلک ماسر کا تقلید امامہ
من یسلم ان احدا من مقلدینہ و مجتہدین
مذہبہ انصری الی دلیل الصحیح منہ و کربما
یکون قیاس یحاضر امتحان یحاضر امتحان اخرا
منہ فکیف یتوک القیاس المقوی بالاستحسان
الضعیف و ہذا اہو المرجو فی حکل قیاس قال

تصریح موجود ہے کہ فتویٰ مطلقاً امام کے قول پر ہوگا اور
صاحب ہدایہ نے ہر حال میں اس کے وجہ کا قول
کیا ہے، اور اگر آپ تفصیل کے متلاشی ہیں تو آپ کو

معلوم ہوگا کہ ترجیح کا یہ طریقہ اس کے مخالف تمام طریقوں سے ارجح ہے۔

میں کہتا ہوں، قول قضا ہر روایت پر ہی ہوگا،
اور یہ محال ہے کہ تمام کے تمام متون امام صاحب کے قول
کے برخلاف چلیں، متون تو وضع ہی اس لیے کئے گئے
ہیں کہ امام صاحب کے مذہب کو نقل کریں، اور یہ بھی ہرگز
نہیں پاؤ گے کہ تمام متون امام صاحب کے قول کے خلاف
رہیں، اور تمام شروح میں اس کے خلاف ہی ہو اور
اسی کا ذکر صرف فتاویٰ میں پایا جائے، اور وقت کیے
کسی چیز کا اتنی ہونا عظیم جلیل مصطلحوں میں سے ایک ہے
اور چہ موجب است میں سے ایک ہے، اسی طرح کسی چیز کا
اہل زمانہ کے مزاج کے موافق ہونا، اور اس پر عمل کا ہونا
اور اسی طرح زیادہ آسانی ہونا جبکہ تنگی کا دفع کرنا مقصود
ہو، اور اخطا کا ہونا جبکہ اس کے خلاف میں خدا و ہوا
اور استحسان جبکہ ضرورت یا تعامل کی وجہ سے ہوا اور
اگر کسی دلیل کی وجہ سے ہو تو یہ چیز صاحبان نظر سمجھتے
تھیں، اسی طرح دلیل کا اوجہ یا اوضح ہونا، جیسا
کہ انھوں نے اپنی شرح عقود میں اس کا اصرار کیا ہے،
اور آپ کو بتایا جا چکا ہے کہ مقلد کسی دوسرے کی
خاطر اپنے امام کے قول کو ترک نہیں کرے گا خواہ نظری
اعتبار سے وہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو ایسا صرف وہی
شعخ کر سکتا ہے امام صاحب کے مقلدین و مجتہدین ہیں
کے کسی کو بہ نسبت امام صاحب کے دلیل صحیح کا نایہ

به الامام وقيل لغیرہ لا یستلزم ضرورة وتعامل
 انه استعان به ونحو هذا مما قد مر بالقیاس
 علی الاستعانة وقد نقل فی مسائل فی الشركة
 الفاسدة من عن طعن الحموی عن النبی
 ان قول محمد هو المختار للفتوی وعن غایت
 البیان ان قول ابی یوسف المستند فقال من
 وعلیه فهو من المسائل التي ترجع فیها القیاس
 علی الاستعانة اه فاذا دان ما حلیه اغترس
 مقدم علی الاستعانة وكذا ضرورة علی ما
 قل فی التعلیل من اصارات الترجیح والفتی
 اعظم ترجیح حریج وكذا الاشك فی تقدیمها
 علی الوجه والآس فی الاحوط كما نصوا علیه
 فلم یبق من المرجحات العذرة الا انكسرية
 النصیحة واضطربة القائلین ولذا اقتصروا
 عن ذكرها فیما مضى وای احتیة احکامها فی
 مسائل فی وقت العصر والعشاء حتی ادعوا علی خلاف
 قوله التعامل بل عمل عامة لصعابة في
 العشاء ولهم یستعمل ذلك لایسما فی العصر عن الفتوی
 علی قول الامام ونقلتم عن ابی داود اقررت
 انه لا یعدلی عن قول الامام الا ضرورة وان
 صرح المشایخ ان الفتوی علی قولهما

جاننے والا اور سمجھنے والا گردانتا ہوا اور بسا اوقات ہر طرح
 کو قیاس کے معارض استعانة ہوتا ہے اور استعانة
 کے معارض اس سے زاید قیاس استعانة ہوتا ہے، تو
 یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک مضبوط قیاس کو گزرا استعانة
 کے مقابل ترک کر دیا جائے، اور یہی چیز امام صاحب کے
 تمام قیاسات کی بابت کہی جاسکتی ہے اور امام صاحب کے
 علاوہ دوسروں کی بابت کہا جاسکتا ہے کہ ضرورت و
 تعامل کے مثل کے لیے استعانة نہیں ہے، اور اسی کے
 مثل کے لیے انہوں نے قیاس کو استعانة پر مقدم کیا ہے
 اور شرکت فاسدہ میں جس نے طے سے نقل کیا ہے
 انہوں نے فتویٰ سے انہوں نے فتاح سے کہہ کر کا قول
 ہی فتویٰ کے لیے مختار ہے اور غایۃ البیان سے منقول
 ہے کہ ابویوسف کا قول استعانة ہے، تو جس نے
 کہا اور اس پر تو وہ ان مسائل میں سے ہے جن میں قیاس
 کا استعانة پر ترجیح دی گئی ہے اور انہوں نے یہ
 بتایا ہے کہ جس پر فتویٰ ہو وہ استعانة پر مقدم ہے
 اور اسی طرح ضرورت اس چیز پر مقدم ہے جس کی تعلیل
 کی گئی ہو، تو تعلیل علامات ترجیح سے ہے اور فتویٰ
 بڑی ترجیح میں ہے اور اسی طرح اس میں شک نہیں کہ
 اس کی تعلیم اوپر کی جلتے اور ارفق اور احوط پر
 کی جلتے، جیسا کہ مشایخ نے تصریح کی ہے، تو نہ کوئی

یہ امام کرخی نے اپنی مختصر میں کہا اس غایۃ البیان
 نے نقل کیا۔ (ت)

سے قالہ الامام انکرخی فی مختصرہ ومنہ نقل
 فی غایۃ البیان ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

سہ رد المحتار شرکت فاسدہ ابیابی مصر ۳۸۳/۳

کماھننا اھ وناھیک بہ جواباً عن الکدیة لفظ
التصحيح و ايضا قد منا فصوص ش فی ذلك
فی سرہ النقول من کتاب النکاح و کتاب الھبیت
و ايضا اکثر فی سرہ المختار من معاصر خیر
الفتویٰ بالمتون و تقدیم ما فیہا علی ما علیہ
الفتویٰ و ما ہوا کالات المتون و ضعت لتقل
مذہب صاحب المذہب و حقی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مرحمت میں سے صرف تصحیح کی اکثریت اور قائلین کی
اکثریت رہ گئی ہے اور اس لیے ہم نے سابق میں اُن
دونوں چیزوں کو ذکر کیا ہے، عصر اور وقت کے
معاملات میں جو اکثریت ہے اس سے بڑی اور کون کا
اکثریت ہوگی، یہاں تک کہ علماء نے دعویٰ کیا ہے
کہ امام صاحب کے قول کے برخلاف تعامل ہے بلکہ
حشائے میں عام صحابہ کا عمل موجود ہے اس کے باوجود
امام صاحب کے قول پر ہی اکتفا دینا خاص طور پر عصر میں، اور آپ نے تحریر میں اقرار کیا ہے کہ قول امام سے عدول
صرف ضرورت کے وقت ہی ہو سکتا ہے، خواہ مشایخ نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہو جیسا کہ یہاں ہے اور
اکثریت لفظ تصحیح کا جواب کافی ہے اور ہم 'کسب' سے کتاب النکاح اور کتاب الہب سے فتویٰ پیش کر آئے ہیں
نیز رد المحتار میں انہوں نے فتویٰ کا متون سے کئی جگہ مقابلہ کیا ہے اور فتویٰ کو فتادی پر مقدم کیا ہے، اور اس کی وجہ
صرف یہی ہے کہ متون تو نقل مذہب ہی کے لیے ہیں۔

المتون میں سے ایک اسناد ہے کنوین میں
ایک دن یا تین دن وضو اور غسل میں اور ان دونوں
کے بغیر میں اکتفا، اس پر صاحب نے فتویٰ دیا اور
اس کی تصحیح محیط اور تبیین میں کی اور اس کو بحر اور منع
میں ہزار رکھا اور اس پر تنویر اور درمے اعتماد کیا تو
تم نے کہا کہ یہ اطلاق متون کے خلاف ہے (اسے
قولکم) تو اس پر اعتماد نہ کیا جائے گا اگرچہ بحر و منع نے
برقرار رکھا اور انہی میں سے یہ ہے کہ کوئی حدیث کسی
معین شخص پر وقف کر دینا، کہ یہ اس شخص کی موت کے
بعد واقعہ کے وارثوں کی طرف لوٹ آئے گا یا اپنا
میں فرمایا، پھر فتح القدر میں، اسی پر فتویٰ، چاہیے گا

قمتھا الاسناد فی البذل فی یومہ او ثلثتہ
فی حق الرضو و الفسل و الاقتصار فی حق
غیرہما اذ حق بہ الصباغی و صحیحہ فی المھیط و
التبیین و اقر فی البحر و المنع و اعتمادہ فی
التنویر و الذہب فقلتم مخالفت لاطلاق المتون
قاطبہ (الحا قولکم) فلا یعول علیہ و ان اقرہ
فی البحر و المنع و عنہا وقف صدقہ علی
رجل بعینہ عاد بعد موتہ لورثۃ الواقف
قال فی الاجناس ثم فتحہ التقدير بہ یفتی فقلتم
انہ خلاف المعتد لمخالفتہ لما نص علیہ
محققوا المشایخ ولما فی المتون من انہ بعد

موت الموقوف علیہ یعود للفقراء و صنفها
 ما اختار الامامان الجليلان الطحاوی و
 الكرخي من الغناء طلاق السكران وفي التفرید
 ثم التمازغانية ثم الدر القنوی علیہ فقلتم مثل
 ح قد علمت مخالفتہ لساثر المتون و صنفها
 قال محمد اذا لم یکن عصبہ فکلیة النکاح
 للمعاکرة ومن الکام قال فی المضمرات علیہ
 القنوی فقلتم کالمجروح التهر غریب لمخالفتہ
 المتون الموضوعة لیسان القنوی و صنفها
 قال محمد لا تعتبر الکفاة دیانة وفي الفتح عن
 المحيط علیہ القنوی وصححه فی المبسوط فقلتم
 کالمجروح صحیح الهدایة معارض له فالافناء
 بما فی المتون اولی و صنفها قال لها اختاری
 اختاری اختاری فعالت اختارت الاولی او الوسطی
 او الاخریة طلعت ثلثا عدة و واحدة بائنة
 عندهما و اختار الطحاوی قال فی الدر و
 اقره المشیئة علی المقدسی وفي الخاوی المقدسی
 وبه تأخذ فقد افاد ان قولها هو المفتی به
 کذا بخط الشرف الغزی فقلتم قولنا لامام
 مشی علیہ المتون و اخذ لیلہ فی الهدایة

تو تم نے کہا کہ یہ محمد کے خلاف ہے کیونکہ یہ محققین مشایخ
 کی تصریحات کے خلاف ہے اور اس لیے کہ متون میں ہے
 کہ یہ صدقہ موقوف علیہ کی موت کے بعد فقراء کو مل جائیگا
 اور انہی میں سے یہ ہے کہ طحاوی اور کرخی نے تشدد
 کی طلاق کو معتبر نہیں مانا ہے۔ تخرید اور تمازغانیہ اور
 در میں ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے، تم نے ح کی مثل
 کہا، اور آپ جانتے ہیں کہ یہ باقی متون کے مخالف ہے
 اور انہی میں سے یہ ہے کہ محمد نے فرمایا جب کوئی عصب
 نہ ہو تو ولایہ نکاح حاکم کو ہے نہ کہ ماں کو۔ مفسرات
 نے کہا کہ اسی پر فتویٰ ہے تو تم نے مجرد تہر کی طرح کہا
 کہ یہ غریب ہے کیونکہ یہ ان متون موضوعہ کے مخالف ہے
 جو فتویٰ کے لیے مقرر ہیں، اور انہی میں سے یہ ہے کہ محمد نے فرمایا
 دیں میں کفایت کا اعتبار نہیں، اور فتح میں محیط سے ہے
 کہ اسی پر فتویٰ ہے اور اس کو مبسوط میں صحیح کہا ہے
 تو تم نے مثل مجرد فرمایا کہ ہایہ کی تفسیر اسی کے معارض ہے
 تو متون کے مطابق فتویٰ دینا اولیٰ ہے، اور انہی
 میں سے یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا
 اختاری، اختاری، اختاری، تو اس نے کہا بیوی نے
 پہلی یاد دہانی یا آخری کو اختیار کیا، تو امام صاحب
 کے نزدیک اس کو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور صاحب

۳۸۱/۳

محیط البانی مصر

کتاب الوقت

رد المحتار

۳۶۰/۲

"

کتاب الطلاق

رد المحتار

۳۳۹/۲

"

باب الولی

رد المحتار

۳۴۷/۲

"

باب الکفاة

رد المحتار

فہم ان هو المعتقد -

نزدیک ایک ہائے ہوگی اور عطاوی نے اسی کو اختیار کیا،

دوسرے فرمایا کہ شیخ علی المرتضیٰ نے اس کو برقرار رکھا اور عطاوی القندی میں ہے کہ ہم اسی کو لیتے ہیں، لہذا انہوں نے فرمایا کہ ان کا قول ہی معنی پر ہے، اسی طرح مشرف الغزالی کا لکھا ہوا موجود ہے تو تم نے کہا کہ قول امام پر ہی متون چلے ہیں، اور اس کی دلیل پڑی میں بعد میں ذکر کی تو وہی متحد ہے۔

ومنها طلب القسمة من لا ينفع بها

لقلة حصته قال شيخ الاسلام غوا هو ن امة

يجاب قال في الخاتمة وعليه الفتوى فقال

في الدين لكن المتون هي الاول فعليه المصالح

واقرب تصد انتم وط مع قولكم مراا منها في

طية سرد المحار كن على ذكر مما قالوا لا يعدل

عن تصحيح قاضي خان فانه فقيه النفس اه

فقد ظهروا والله الحمد ان الترجيح يكون لقول

قول الامام لا يوان فيه شيء واذا اختلف الترجيح

وكان احد هما قول الامام فعليه التعويل وكذا

اذا لم يكن ترجيح فكيف اذا اتفقوا على ترجيح

فلم يبق الا ما اتفقوا فيه على ترجيح غير فاذا اعمل كلامه

على ما وصفا فلا شك في صحة اذن بالنظر الى حاصل الحكم

فانا نوافق على اننا نأخذ بحما اتفقوا على

ترجيحه انما يبقى الخلاف بيننا في الطريق فهو

اختصاصا بناء على اتباع المرجحين ونحن نقول

لا يكون هذا الا في محل احدى الحوامل فيكون

هذا هو قول الامام الضرورى وانما خالف

قوله الضرورى بل عندنا ايضا صياح ههنا

لتقليد الشافعية في بعض الصور على ما يأت

بيناها شك لا شك انه لا يتقيد ح يكونه قول

اور انہی میں سے یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے تقسیم

کا مطالبہ کیا مگر اس کا حصہ آنا تکم ہے کہ اس کے لیے

بیکار ہے، تو شیخ الاسلام خواہر زادہ نے فرمایا اس

کی بات مافی جائے گی، خاتمہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ

ہے، درمیں فرمایا کہ گھر متون اول پر ہیں تو اسی پر

اعتماد ہوگا، اور تم نے اور ط نے اقرار کیا، اور تم نے

بار بار روایت کے بعد میں فرمایا، ہوا انہوں نے فرمایا

وہ یاد کیجئے، انہوں نے فرمایا قاضی خان کی تصحیح سے

عدل نہ کیا جائیگا کہ وہ فقیہ النفس ہیں، تو کچھ دیر

یہ نظر ہو گیا کہ ان الفاظ سے ترجیح دینا کہ یہ قول امام

ہے ایسی چیز ہے کہ جس کے مقابل کوئی چیز نہیں، اور

جب ترجیح مختلف ہو اور ان میں سے ایک قول امام

ہو تو اسی پر اعتماد ہوگا، اور اسی طرح اگر ترجیح نہ ہو تو

اس کی ترجیح پر وہ کیسے متفق ہوں گے، تو صرف یہی

صورت رہ گئی کہ تمام لوگ امام کے علاوہ دوسروں کے

قول کی ترجیح پر متفق ہوں، تو جب ان کا کلام اس پر

محمول کیا جائے تو ہم نے بیان کیا کہ اس کی صحت پر کوئی

شک نہیں، حاصل حکم کو دیکھتے ہوئے، تو ہم ان کی

موافقت اس پر کرتے ہیں کہ ایسی صورت میں ہم

اس قول ہی کو لیں گے جس کی ترجیح پر متفق ہوں، اب

ہمارا اور ان کا اختلاف صرف طریقہ میں ہے، انہوں نے

احد الصحاحین بل ند و رصم الحواصل حدیث
 دانت و انکان قول سر فومثلا علی خلاف الاثمة
 الثلثة كما ذكره ما ذكر من سيرهم الدليل و
 سائر حلاله من نشأ من الطریق الذی سلكه
 وح یبقی الخلاف بمنه و بین البحر لغضایان
 الیہر ایضاً لایافی عند لذل العدولی عن قول الامام
 الصوری الی قولہ الضروری کیف وقد فعل مثله
 نفسه و الوفاق اولی من الشقاق ولعل مراد
 ابن الشلی ای یصرح احد من المشایخ بالفتو
 علی قول غیر الامام مع عدم مخالفة البا قین
 له صراحة ولا دلالة کاتقصا رهم علی قول
 الامام او یقتدی به او تأخیر دلیله او الجواب
 عن دلائل غیره الی غیر ذلک ما یعلم انهم
 یرجعون قول الامام کما اشار ابن الشلی الیه
 التصحیح دلائل فوج لابد ان یلخص منهم جمایل
 و خاتمهم لذلک المعنی فیدخل فی صورة التثنی
 هذا فی جانب الشامی و اما جانب البعوض ایتنی
 کتب فیما خلقت علی رد المحتار فی کتاب
 انقضاء ما نصه .

اسی کو مرتجعی کی اتباع کی بنیاد پر اختیار کیا ہے، اور
 ہم کہتے ہیں یہ صرف چھ وجوہات کے مقام میں ہوگا اور
 امام کا یہی قول ضروری قرار پائے گا خواہ یہ ان کے
 صوری قول کے مخالف ہی ہو، بلکہ جیسا کہ ہم سب سے
 کریں گے یہاں اس امر کی گنجائش موجود ہے کہ بعض
 مشایخ کی بعض صورتوں میں عقیدہ اختیار کر لی جائے
 پھر اس میں شک نہیں کہ اس صورت میں یہ قید نہیں
 کردہ صاحبیں میں سے کسی ایک کا قول ہو، بلکہ وجوہات
 میں انہی کے ساتھ میں چلے ہوگا خواہ وہ ذکر کا قول ہو
 اور ائمہ ثلثہ کے خلاف ہو جیسا کہ ذکر کیا گیا، اور جو ذکر کیا
 دلیل چلانے کا ہو اور ان کا باقی کلام اللہ کے اپنے اختیار
 طریق کے مطابق ہے، اس صورت میں ان کا اور بکر کا
 اختلاف صرف لفظی رہ جائیگا، کیونکہ ہر بھی ایسی صورت
 میں امام صاحب کے صوری قول سے عدول کر کے ضروری
 قول کے اختیار کرنے کو نہیں کہتے ہیں، اور ہر بھی کیسے
 سکتا ہے جبکہ انہوں نے خود ایسا ہی کیا ہے اور اتفاقاً
 اختلاف سے بہتر ہے، اور غالباً ابن شلی کی مراد یہ ہے
 کہ مشایخ میں سے کوئی اس امر کی وضاحت کر دے
 کہ فتویٰ امام کے علاوہ کسی اور کے قول پر ہے اور باقی
 حضرات بھی اس کی مخالفت کریں، نہ صراحت اور نہ دلائل۔ مثلاً یہ کہ وہ قول امام پر اکتفا کریں یا اس کو مقدم کریں
 یا اس کی دلیل کو توڑ کریں یا وہ مسرور کے دلائل کے جواب دیں یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز جس سے یہ معلوم ہو جائے
 کہ یہ امام کے قول کو ترجیح دے رہے ہیں، جیسے ابن شلی نے تصحیح کی طرف اشارہ کیا ہے، اور ایسی صورت
 میں یہ ضروری ہے کہ ان کی طرف سے ایسا اشارہ ملے کہ وہ اس معنی کے ساتھ متفق ہیں، تو یہ استدلال کی صورت
 میں داخل ہو جائیگا، یہ شامی کی طرف ہے اور بکر کی طرف قرین نے رد المحتار کی کتاب انقضاء میں تعلیق لکھی ہے
 میں کہتا ہوں کہ بکر کے کلام کا عمل یہ ہے کہ ان کے ائمہ

اقول محل کلام البعوض حدیث و جہد

الترجیح من ائمتہ فی جانب الامام ایضا کافی
مسائل العصر والعشاء وان وجد اكد الفاظه
وهو الفتوى من المشايخ في جانب الصاحبين
وليس يريد ان المشايخ وان اجمعوا على ترجيح قولهما
لا يثبتونه ويجب علينا الافتاء بقول الامام فان هذا
لا يقول به احد من علماء صاس بالفتوة فكيف بهذا
العلامة البحراني كرايد اجماع الائمة على ترجيح قول غيره الا
لتبدل مصلحة باختلاف الزمان وح لا يجوز
لنا مخالفة المشايخ لانها اذن مخالفة الامام
عينا كما علمت) واما اذا اختلف الترجيح
فترجح قول الامام لانه قول الامام ارجح
من سراجان قول فقير لا راجحية لفظ الافتاء
به (او احتقرية العائدين الى ترجيحه) فهذا
ما يريد العلامة صاحب البحر وبه يسقط
ايراد العلوتين الرضوي والشامي انه ما كبرت
مع زيادات مني الا من ما بين الالهة
فهذه ائمتكم الكلمات ، وتألف الاشقات ،
والحمد لله رب العالمات ، وافضل الصلوات
واكمل التسليمات ، على الامام الاعظم لجميع
الكائنات ، والاله وصحبه وابنه وحزبه
اولي الخيرات ، والسعد والبركات ،
عد واصل ما مضى وما هو ات ، آمين
والحمد لله رب العالمين والله سبحانه وتعالى
اعلم ورأيت الناس يتعفون كتبهم الى ملوك
الدنيا واما العبد الحقير مخد مت بهذا

کی طرف سے اگر ترجیح امام صاحب کے بلکہ ہو جیسے عصر
عشاء کے مسئلہ میں اگرچہ بہت زیادہ تاکید الفاظ ہوں ،
اور یہی فتویٰ مشایخ نے صاحبین کی طرف دیا ہے ، ان
کی مراد یہ نہیں ہے کہ اگرچہ مشایخ صاحبین کے قول کی
ترجیح پر متفق ہوں تب بھی کوئی لحاظ نہ کیا جائے گا اور
ایسی صورت میں بھی امام کے قول پر فتویٰ دینا لازم
ہو گا ، ایسی بات تو کوئی ایسا شخص بھی نہیں کہہ سکتا ہے
جس کو فقہ سے ادنیٰ بھی مس ہو چکا ہو یا نہ صاحب بحر جیسی
شخصیت ، اور تم ہرگز ایسا نہیں پاؤ گے کہ مشایخ
امام صاحب کے علاوہ کسی اور کے قول کی ترجیح پر متفق
ہو گئے ہوں ، یہ سب صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے
جبکہ اختلاف زمانہ کے باعث مصلحت بدل گئی ہو ایسی
صورت میں ہمارے لیے روانہ ہو گا کہ ہم مشایخ کی مخالفت
کریں (کہ یہ تو بعینہ امام کی مخالفت ہے) اور اگر ترجیح
مختلف ہو تو امام کے قول کو رائج قرار دیا جائیگا کہ امام کا
قول پر نسبت دوسروں کے ترجیح کا زیادہ مستحق ہے ،
یا تو لفظ افتاء میں اس کی ارجحیت ہو (یا زیادہ لوگ
اس کی ترجیح کی طرف مائل ہوں) ، صاحب بحر کی
مراد یہی ہے اور اس وضاحت کے بعد علامہ رضوی اور
مشایخ کا اعتراض ماقط ہو جاتا ہے اور میں نے
جو کچھ لکھا ہے اس میں بین القوسین کی عبارات میری
طرف سے اضافہ شدہ ہیں ، اس طرح فقہاء کی مختلف
عبارات میں تطبیق کی شکل پیدا کی ہے ، میں نے دیکھا ہے
کہ لوگ اپنی کتب کو شاہان دنیا کے نام سے معنون
کرتے ہیں مگر میں اس رسالہ کو امام ائمۃ المجتہدین حضرت

السطور، منکافی الدین، امام ائمة المجتہدین،
رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہما جمیعین، قامت
وقعت موقع القبول، قد انک نہایة المسئولی
ومنتهی المأمول، وما ذلک علی اللہ بعزیز
ان ذلک علی اللہ لیسیر، ان اللہ علی کل شیء
کذیر، و لله الحمد و الیه المصیر، و صلی
اللہ تعالیٰ علی المولی الاکرم، و آلہ وصحبہ و
بارک و سلم، آمین۔

تمثیلیہ اقول کون المحل محل
احدی الخواصل انک انک لا یلتبس فالعمل
علیه و ما عداہ لا یطرا الیه و هذا طریق
لی و انک انک الامر مشتبهاً رجلاً الی ائمة
الترجیح فادرس اینا هم مجتہدین علی حدیث
قول الامام علمائنا المحل محلها و هذا
طریق الی دلائل و جدنا هم مختلفین فی الترجیح
اولی رجحوا شیئنا علمنا بقول الامام و ترکنا
ما سواہ من قول و ترجیح لات اختلا فہم اما لان
المحل لیس محلها فادرس لا عدول عت
قول الامام اولانہم اختلفوا فی المحلۃ منلا
یثبت القول الضروری بالثبوت فلا یترک قوله
الضروری الثابت بیقین الا اذا تبینت لنا المحلۃ
بالنظر فیما ذکرنا من الأدلة اوینے انعدا و موت
عن قوله الامر علیہا و کافراہم الا اکثرہم
غلبہم ولا تفتہم اما اذا المریدوا الامر علیہا
انما جاہوا حول الدلیل فقول الامام علیہ

امام علم رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرنا ہوں۔ اگر یہ قبول
ہو جائے تو میری اعلیٰ درجہ کی غرض و غایت ہے۔
یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی بات نہیں بلکہ معمولی بات ہے
یہ شک اللہ پر چیز پر قائم ہے۔ تمام تصریحیں اللہ کے لئے ہیں
اور اسی کی طرف جلتے رجوع ہے، اور اللہ تعالیٰ
سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی آل اور
صحابہ پر درود و سلام بھیجے آمین۔

تثلیف میں کہتا ہوں اگر مقام ایسا ہو کہ اس
میں مذکور چھ وجوہات میں سے کسی کا پایا جانا واضح ہو
تو اس پر عمل کرنا لازمی ہے اور کسی اور طرف دیکھنے
کی ضرورت ہی نہیں اور یہ طریق لیتی ہے اور اگر معاملہ
مشتبہ ہو تو ائمہ ترجیح کی طرف رجوع کیا جانا چاہئے
اب اگر وہ سب کے سب قول امام کے خلاف تھیں ہیں
تو ہم جانی لیں گے کہ یہ اسی کا محل ہے، اور یہ طریق لیتی
ہے، اگر ہم دیکھیں کہ مشایخ ترجیح کے باب میں مختلف
ہیں یا انہوں نے کسی قول کو ترجیح نہیں دی ہے تو ہم
امام کا قول ہی لیں گے اور کسی جانب التفات نہیں کریں گے
کیونکہ ان کا اختلاف یا تو اس لئے ہو گا کہ مقام اس کا
مقام نہیں، تو اس صورت میں امام کے قول سے
عدول نہیں ہونا چاہئے، یا محل ہونے میں اختلاف
ہو تو قول ضروری شک سے ثابت نہ ہو گا، اور قول
ضروری جو یقین سے ثابت ہے اس کو قول ضروری
کے لئے ترک نہ کیا جائیگا، ہاں اگر ہم ادقہ میں غور کے
بعد محسوس کریں کہ یہ محل ہے یا جو لوگوں قول امام سے عدول

التحويل هذا ما ظهر في دار جو ان يكون صوابا
امت شاد الله تعالى والله تعالى اعلم -

کیا ہے وہ ان اولاد پر بنا کریں اور ان کی تعداد بھی
زیادہ ہو تو ہم ان کی پیروی کریں گے اور ان کو مستہم
نہ کریں گے، اور اگر وہ اپنے دعویٰ کی بنا ان اولاد پر نہ کریں اور دلیل کے گمراہی رہیں، تو امام کے قول پر ہی
اعتقاد ہوگا، یہ مجھ پر ظاہر ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ درست ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تنبيه أقول هذا كله اذا خالفوا

الامام اما اذا خالفوا اجمالا، او اوضحوا
اشكالا، او قيدوا اسرارا، كدأب الشراح
مع المتن، و هم في ذلك على قوله عاشون،
فهم اعلم منا بهر اد الامام فان اتفقوا و اولا
فالتزجيم بقواحدة المعلومة و انما قيدنا
بانهم في ذلك على قوله عاشون لانه تقدم
هنا صورا تامة مثلا قال الامام في مسألة
باطلاق وصاحبا بالتقييد فان اشدتوا
الخلافت و اخاروا قولهما فهذا مخالفة و
ان نقرا الخلاف و ذكرنا ان مراد الامام ايضا
المتقين فهذا اشرح والله تعالى اعلم و ليسكن
هذا آخر الكلام، و اخذت المصلاة والسلام،
على اكرم الكرام، و آله و صحبه و ابنه و حزيه
الى يوم القيام، و الحمد لله ذي المحمالات
و الاكرام -

میں ہے جب مشایخ امام صاحب کی مخالفت کریں
لیکن اگر وہ کسی اجمالی کی تفصیل کریں یا کسی اشکال
کی وضاحت کریں یا کسی مسئلہ کو مقید کریں، جیسے
شارحین متن میں کیا کرتے ہیں، تو اگر ایسا متفقہ طور
پر کیا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ترجیح معروف طریقوں
کے مطابق ہوگی اور ہم نے یہ قید لگائی کہ وہ ان کے
قول پر چلنے والے ہیں کیونکہ یہاں دو صورتیں ہو سکتی ہیں
مثلاً امام نے کسی مسئلہ میں اطلاق رکھا اور صاحبین نے
تقیید کی، تو اگر وہ اختلاف ثابت کر دیں اور صاحبین
کے قول کو اختیار کریں تو یہ مخالفت ہے، اور اگر وہ
اختلاف کی نفی کریں اور ذکر کریں کہ امام کی مراد بھی تقیید
تو یہ شرح ہے واللہ تعالیٰ اعلم (مت)